بِسْمِ اللّٰہ الرحمٰن الرَّحِیْمَ　　　　نَحمَّدَہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسولہ الکرِیم

رَسَالَہ

تائیدِ نشانِ آسمانی

اِسمیں ایڈیٹر اخبار احسان کے اُن اعتراضوں کا مکمّل مدلّل اور مسکت جواب دیا گیا ہے جو اس نے قصیدہ نعمت اللہ ولی کے متعلق کئے تھے

از قلم

مولانا مولوی جلال الدیّن صاحب شمس مولوی فاضل قادیان

جسے

مینیجر بُکڈپو تالیف واشاعت قادیان
نے شائع کیا!!
(دسمبر ۱۹۳۵ء)

قصیدہ ’’شاہ نعمت اللہ وَلی‘‘ کے متعلق

اخبار’’احسان‘‘ کی غلط بیانیوں کا جواب

(ازمولانا جلال الدین صاحب شمسؔ)

تمہید] ناظرین کو یاد ہوگا۔کہ اخبار’’احسان‘‘ کے ایک مضمون کے جواب میں مَیں نے ۱۴جون ۱۹۳۵ء کے’’الفضل‘‘میں لکھا تھا۔کہ حضرت شاہ نعمت اللہ ولی کا یہ شعر

ا۔ح۔م۔دال   مے   خوانم
نام   آں   نامدارے   بینم!

حضرت مسیح موعودؑ بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام نے مولانا اسمٰعیل شہید دہلوی کی کتاب اربعین سے نقل کیا ہے۔اور اس پر مدیر’’احسان‘‘ نے حضور پر تحریف کا جومکروہ الزام لگایا ہے وہ سراسر بہتان اور کذب صریح ہے۔اِس کے جواب میں ایک شخص یاس و قنوط کے پیکر حسرت نے ایک طول طویل مضمون ۱۴قسطوں میں شائع کیا ہے۔اس کی طوالت کا باعث علمی موشگافیاں نہیں بلکہ بیجا تکرار اور بعض بیہودہ اور لایعنی فقرات ہیں۔جن کا نفس موضوع سے دُور کا بھی تعلق نہیں۔پھر اس قصیدہ کے متعلق جو اعتراضات’’حسرت‘‘نے نقل کئے ہیں وہ سب چودھری محمد حسین صاحب ایم کے رسالہ’’کاشفِ مغالطہ قادیانی‘‘ کے شرمندۂ احسان ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے علم پر حملہ

حسرت صاحب نے شروع مضمون میں حضورؑ کو اور حضورؑ کی جماعت کو جاہل اور عِلم ادب سے بے خبر ٹھیراتے ہوئے لکھا ہے:۔

’’مرزا غلام احمدؐ صاحب کی کم سوادی مسلّم ہے۔اُنہوں نے نہ تو ادب کی کتابیں پڑھیں نہ علوم متداولہ پر نظر ڈالی۔قرآن سے ان کی بے خبری

کا یہ حال تھا۔ کہ آیات قرآنی کو غلط لکھ جایا کرتے تھے۔ اور ان کے معنی غلط کرتے تھے۔ **قد انزل اللّٰہ علیکم ذکرا رسولا یتلوا علیکم اٰیات اللہ** کو انہوں نے انزل (ذ) کرا اور رسولا لکھ دیا......

حدیث کے معاملہ میں ان کی بے خبری کا یہ حال تھا کہ ضعیف اور صحیح احادیث میں قطعاً امتیاز نہیں کرسکتے تھے۔''

چونکہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام بھی انہی مقدسین کی جماعت کے ایک ممتاز فرد ہیں جو خدا کی طرف سے دنیا کی اصلاح کے لئے وقتاً فوقتاً آتے رہے لہٰذا آبنائے دنیا نے اپنی بے بصری اور کورباطنی کے باعث اس پاک گروہ کو ہمیشہ کم علم جاہل۔ اُمّی۔ اور علومِ متداولہ سے بے خبر کہا۔ پس اگر حسرت اور دوسرے مدعیان علم حضورؑ کو جاہل ٹھہرائیں۔ تو اس میں تعجب کی کونسی بات ہے۔ ان کا یہ ناپاک اعتراض نیا نہیں۔ ان سے پہلے پرستارانِ طاغوت بارہا یہ اعتراض کر چکے ہیں۔ چنانچہ فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق غیر مبہم الفاظ میں کہہ چکا ہے۔ **اَمْ اَناخیر من ھٰذاالّذی ھو مھین ولا یکادُیُبیْن**۔ (زخرف) میں اس شخص سے بہتر ہوں جو ذلیل ورذیل ہے۔ اور اپنے مافی الضمیر کو بھی اچھی طرح بیان نہیں کرسکتا؟ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم نے کہا۔ **یاشعیب مانفقه کثیرًاممّاتقولُ** (ہود) بقول پروفیسر الیاس برنی کہ اے شعیب'' تیری باتوں میں اس درجہ تضاد اور التباس اور ابہام ہے۔ کہ اکثر مباحث بھول بھلیاں نظر آتے ہیں۔ کہ عقل حیراں اور طبیعت پریشان ہو جاتی ہے کچھ سمجھ ہی نہیں آتی۔ کہ تم کہتے کیا ہو۔'' یا بقول چراغ حسن حسرت قوم شعیب نے کہا۔'' سبحان اللہ کس قدر اُلجھی ہوئی اور ژولیدہ تقریر ہے الفاظ مفہوم سے یکسر بیگانہ۔ معانی سے قطعاً بے نیاز۔ نہ الفاظ میں ربط نہ معانی میں توازن۔ اسی لئے ہم آپ کی بہت سی باتیں نہیں سمجھتے۔

الغرض ایک امت نے نہیں۔ بلکہ تمام قوموں نے خدا کے پاک فرستادوں کو اپنے مقابلہ میں جاہل ہی قرار دیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **فلمّاجاء تھم رسلھم بالبینات فرحوابماعندھم من العلم و حاق بھم ما کانو ا بہٖ یستھذو ن** (المؤمن) کہ جب کبھی ہمارے رسول لوگوں کے پاس واضح دلائل لے کر آئے۔ تو وہ اپنے علم پر نازاں

ہوئے۔اور انہوں نے ان سفیرانِ الٰہی کے متعلق حسرت کی طرح کہا۔’’سبحان اللہ کس قدر الجھی ہوئی اور ژولیدہ تقریر ہے۔نہ الفاظ میں ربط۔نہ معانی میں توازن‘‘۔لیکن بخدا آبناء دنیا کی عبارت آرائیاں اور رنگین بیانیاں ۔اور عُلوِ خیال کی آسمان پیمائیاں خدا تعالیٰ کے فرستادوں کی سادہ عبارتوں اور عام فہم الفاظ کے مقابلہ میں ہیچ ہیں۔کیونکہ وہ ایک خدارسیدہ کے قلب صافی کی گہرائیوں سے نکلے ہوئے روح پرور کلمات اور ایمان آفرین فقرات ہوتے ہیں۔ہم اس جہاں کی ادب نوازیوں اور زبان کی چالاکیوں کو کیا کریں۔جو دلوں کو صیقل کرنے کی بجائے ان پر زنگ چڑھاتیں اور مقصود حقیقی کے حصول میں حجاب اکبر بن کر رہجاتی ہیں۔

حسرت جیسے ہمچو من دیگرے نیست کا باطل دعویٰ کرنے والے جن کے دل مُردار دنیا کی ہزار آلائشوں سے ملوّث ہیں۔ان کی بازاری تحریریں مومنوں پر ہرگز اثر انداز نہیں ہوسکتیں۔وہ لاکھ کہیں۔کہ مرزا صاحب علوم متداولہ سے بیخبر تھے۔لیکن دنیا کے دِل مانتے ہیں۔کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زبان نہایت سلیس اور عام فہم ہے۔جسے ہر طبقہ کا آدمی۔تعلیم یافتہ ہو یا اَن پڑھ بآسانی سمجھ سکتا ہے۔تصنع اور تکلیف سے حضور کا کلام بالکل پاک ہے۔یہی وجہ ہے کہ حضور کے کلام میں غیر معمولی تاثیر ہے۔ایک ایک فقرہ زندگی بخش ہے اور حضور کے ایک ایک لفظ میں خدا نے وہ اثر ڈالا ہے۔جس نے ہزارہا زنگ آلود اور تاریک دلوں کو منوّر کر دیا۔

خوش بیانی نے تری قطرہ کو دریا کردیا
دِل کو روشن کردیا۔آنکھوں کو بینا کردیا

مثلاً حضورؑ اللہ تعالیٰ سے نشان نمائی کے متعلق درخواست کرتے ہوئے اپنے توکل اور عشق و محبت کا اظہار یوں فرماتے ہیں۔

’’میری روح نہایت توکل کے ساتھ تیری طرف ایسے پرواز کرتی ہے جیسا کہ پرندہ اپنے آشیانہ کی طرف آتا ہے۔سو میں تیری قدرت کے نشان کا خواہشمند ہوں۔لیکن نہ اپنے لئے اور نہ اپنی عزت کے لئے بلکہ اس لئے کہ لوگ تجھے پہچانیں اور تیری پاک راہوں کو اختیار کریں۔‘‘(اشتہار ۵ نومبر ۱۸۹۹ء)

ایک جگہ آفتاب اسلام کے اپنے پورے کمال کے ساتھ دوبارہ طلوع ہونے کے لئے قربانیوں کی ضرورت کا احساس اِن الفاظ میں کراتے ہیں۔

''ضرور ہے۔کہ آسمان اُسے چڑھنے سے روکے رہے جب تک کہ محنت اور جانفشانی سے ہمارے جگر خون نہ ہوجائیں۔اور ہم اپنے سارے آراموں کو اس کے ظہور کے لئے نہ کھودیں۔اور اعزازِ اسلام کے لئے ساری ذلّتیں قبول نہ کرلیں۔اسلام کا زندہ ہونا ہم سے ایک فدیہ مانگتا ہے۔وہ کیا ہے؟ ہمارا اسی راہ میں مرنا۔یہی موت ہے۔جس پر اسلام کی زندگی مسلمانوں کی زندگی اور زندہ خدا کی تجلّی موقوف ہے۔'' (فتح اسلام ۱۸)

غرض کہ ہر وہ شخص جس کے دِل میں نور کی ادنیٰ سی جھلک موجود ہے اِس امر سے انکار نہیں کرسکتا۔کہ حضرت بانیٔ سلسلۂ احمدیہ کی پاک تحریروں نے سینکڑوں زنگ آلود دلوں کو صاف کیا۔اور ہزارہا تاریک قلوب کو روشنی بخشی۔اور لاکھوں نے حضور کی ایمان پرور تحریروں کو پڑھ کر گناہوں سے توبہ کی غرضیکہ آپ کی زوردار تحریروں نے دنیا کی کایا پلٹ دی۔یہاں تک کہ اہل زبان بھی آپ کے زورِ قلم کا اعتراف کئے بغیر نہ رہ سکے۔چنانچہ مرزا حیرت دہلوی لکھتے ہیں:۔

''اگرچہ مرحوم پنجابی تھا۔مگر اس کے قلم میں اس قدر قوت تھی۔کہ آج سارے پنجاب بلکہ بلندیٔ ہند میں بھی اس قوت کا کوئی لکھنے والا نہیں۔ایک پُرجذبہ اور قوی الفاظ کا انبار اس کے دماغ میں بھرا رہتا تھا۔اور جب وہ لکھنے بیٹھتا تو جچے تُلے الفاظ کی ایسی آمد ہوتی تھی۔کہ بیان سے باہر ہے۔'' (کرزن گزٹ دہلی مورخہ یکم جون ۱۹۰۸ء)

اخبار وکیل امرتسر نے ۳۰ مئی ۱۹۰۸ء کے پرچہ میں لکھا:۔

''غیر مذاہب کی تردید میں اور اسلام کی حمایت میں جو نادر کتابیں مرزا صاحب نے تصنیف کیں۔ان کے مطالعہ سے جو وجد پیدا ہوا۔وہ اب تک نہیں اُترا۔ان کی کتاب براہین احمدیہ نے غیر مسلموں کو مرعوب کردیا۔اور اسلامیوں کے دِل بڑھا دیئے۔''

ماہ دسمبر ۱۹۱۳ء میں بمقام آگرہ آل انڈیا محمڈن اینگلو اورنیٹل ایجوکیشنل کانفرنس کا ستائیسواں اجلاس منعقد ہوا۔اس میں خواجہ غلام الثقلین صاحب نے اپنے خطبۂ صدارت میں ان لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے جنہوں نے اردو کی ترقی میں نمایاں حصہ لیا۔حضرت مسیح

موعود علیہ السلام کو ان لوگوں کی صفِ اول میں شمار کیا۔ جن کو آج اردو زبان میں بطور سند پیش کیا جاتا ہے۔ مثلاً پروفیسر آزاد، مولانا حالی، داغ، امیر، جلال، سر سیّد احمدؒ خاں وغیرہ۔ دیکھو رپورٹ اجلاس مذکور پر آپ کو اردو زبان کے اعلیٰ انشا پردازوں میں لکھا ہے۔ پس اگر حسرت صاحب آج حضرت اقدس پر یہ اعتراض کریں۔ کہ آپ نے علم ادب کی کتب نہیں پڑھیں۔ اور آپ محض اُمّی تھے۔ تو اس میں حضورؑ کی کوئی کسر شان نہیں جبکہ تمام انبیاء کا امام ومقتداء بھی اُمّی محض تھا (صلی اللہ علیہ وسلم)

اُمّی مطلق ہوں خیر المرسلین
علم و فاضل ہو شیطانِ لعین

اللہ تعالیٰ جن لوگوں کو دنیا کی اصلاح کے لئے چُنتا ہے۔ انہیں خود اپنی ذات سے علم بخشتا ہے۔ اور وہ علم اکتسابی نہیں ہوتا۔ بلکہ آسمانی معلم سے ملتا ہے۔ اور زادگانِ طاغوت جو خشک علم پر نازاں ہو کر مامورینِ الٰہی کو جاہل اور بے علم کہتے ہیں۔ دراصل خود پرلے درجہ کے جہل مرکب میں گرفتار ہوتے ہیں۔ لہٰذا نور کو تاریکی سے شناخت کرنے کی بصیرت ان سے سلب کر لی جاتی ہے۔

قرآن مجید کی آیات غلط لکھنے کا جواب

حضرت اقدس بشر تھے۔ اور سہو ونسیان جو لازمۂ بشریت ہے۔ آپ اس سے مبّرا نہ تھے۔ مصنفین خوب جانتے ہیں کہ بعض اوقات صحیح بات یاد نہ رہنے کی بناء پر غلطی ہو جاتی ہے۔ اور بعض اوقات کاتب سے الفاظ آگے پیچھے ہو جاتے ہیں۔ اور بعض وقت لغزش قلم ہو جاتی ہے اور کچھ کا کچھ لکھا جاتا ہے۔ چونکہ حضرت اقدس شب روز تالیف وتصنیف کا کام کرتے تھے۔ اِس لئے بعض آیات حضورؑ سے بسبب سہو غلط لکھی گئیں۔ اس سے حضور کی قرآن دانی پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوسکتا۔ اوّل اس لئے کہ یہی آیات بعض دوسری جگہ آپ کی تحریرات میں صحیح لکھی ہوئی ہیں۔ دوسرے اس میں ایک یہ حکمت بھی تھی۔ کہ تا آئندہ آنے والی نسلوں پر حضورؑ کی بشریت پر یہ ایک دلیل ہو۔ اور وہ حضور کو خدا یا خدا کا بیٹا نہ سمجھیں۔ جیسا کہ حضرت مسیح ناصری کے ساتھ ہوُا۔

طرفہ یہ ہے۔ کہ حسرت صاحب جس غلطی کا الزام حضور کو دے رہے ہیں خود بھی اس غلطی سے محفوظ نہیں رہے۔ چنانچہ آپ نے اسی آیت کو ''قدانزل اللہ علیکم'' لکھا ہے۔ حالانکہ قرآن مجید میں ''الیکم'' ہے۔ پس آپ تو ایک آیت بھی درست نہ لکھ سکے۔ حضرت رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں انّما انا بشر انسٰی کما تنسون۔ کہ میں بھی ایک بشر ہوں۔ اور بھول جاتا ہوں۔ جس طرح تم بھول جاتے ہو۔ اسی طرح صحیح مسلم میں ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جب مسجد میں ایک شخص سے قرآن مجید سُن رہے تھے تو فرمانے لگے۔ خدا کی قسم اس شخص نے مجھے فلاں فلاں آیت یاد دلادی۔ جو میرے حافظہ میں نہ تھی۔ یا فرمایا۔ مجھے بھول گئی تھی پس بسبب سہو ونسیان بعض آیات کا غلط لکھا جانا ہرگز قابل اعتراض نہیں۔ ہاں دانستہ آیات کا غلط لکھنا ضرور قابل اعتراض ہے لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نسبت کوئی یہ ثابت نہیں کرسکتا۔ کہ آپ جان بوجھ کر آیات غلط لکھتے تھے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی حدیث دانی پر حملہ کا صرف یہی جواب کافی ہے۔ کہ حضور نے چودھویں صدی کے اہلحدیث کی طرح ہر قسم کی رطب ویابس احادیث کو قبول نہیں کیا۔ بلکہ حدیث کے متعلق جو اصول آپ نے بیان فرمائے ہیں وہ نہایت صحیح اور افراط وتفریط سے مبرا ہیں۔ اگر اسلام کے مختلف فرقے اُن پر کاربند ہوں۔ تو تمام اختلاف ایک دِن میں مٹ سکتا ہے۔ حسرت صاحب چونکہ حضورؑ کی کتب سے یکسر بیگانہ اور ناواقف ہیں۔ اس لئے جو چاہیں لکھیں۔ لیکن جن لوگوں نے حضور کی تحریرات کو پڑھا ہے۔ وہ جانتے ہیں۔ کہ آپ کو جہاں قرآن فہمی میں یدطولیٰ حاصل تھا۔ وہاں حدیث دانی اور ضعیف حدیث کو صحیح سے الگ کر دینے کا بھی آپ میں ایک خاص ملکہ تھا۔ اور اس کے لئے حضورؑ کے بیان کردہ قواعد سے معلوم ہوسکتا ہے۔ کہ حضور عِلم حدیث کے کتنے ماہر تھے۔

اصل قصیدہ کے متعلق

میں نے اپنے مضمون مندرجہ الفضل ۱۴ جون ۱۹۳۵ء میں یہ ذکر کیا تھا۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ قصیدہ مولوی محمدؐ اسمٰعیل صاحب شہید کی کتاب اربعین

سے نقل کیا ہے۔اور ظاہر ہے۔کہ آپ کا یہ فرض تھا۔کہ آپ نقل میں اپنی طرف سے کسی قسم کا تغیر وتبدل نہ کرتے۔ چنانچہ آپ نے وہ قصیدہ جو اربعین میں درج ہے۔اپنی کتاب نشان آسمانی ایڈیشن دوم میں تمام کا تمام اور اس کے چند اشعار ایڈیشن اول میں بغیر کسی قسم کا تصرف کئے درج فرمادیئے۔اب اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے۔کہ اس قصیدہ کا فلاں شعر محرف ہے۔تو تحریف کا الزام حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر نہیں آسکتا۔اور نہ ہی یہ کہنا درست ہو سکتا ہے۔کہ ''مرزا صاحب سے ایک بڑی لغزش یہ ہوئی کہ انہوں نے اس قصیدہ کے جس نسخہ پر اپنے استدلال کی بنیاد رکھی ہے۔اس میں کتابت کی غلطیاں اس کثرت سے ہیں۔اور مرزا صاحب کے استدلال کی عمارت زیادہ تر انہیں اغلاط کتابت پر استوار ہے۔'' کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اس قصیدہ کا علم اربعین سے ہوًا۔اب اگر بالفرض اربعین کا قصیدہ ایسے نسخہ سے لیا گیا۔جس میں کتابت کی غلطیاں تھیں۔تو یہ الزام صاحب اربعین پر آئے گا۔نہ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر۔اور اگر آپ اس قصیدہ کی نقل کرتے ہوئے اپنے علم کی بناء پر اس میں کسی قسم کا کوئی تغیر وتبدل کرتے تو اس وقت جناب حسرت جیسے لوگ ہی یہ اعتراض کرتے۔کہ آپ نے اربعین کے قصیدے کو محرف کر کے پیش کیا ہے۔چنانچہ اب جبکہ آپ نے ایک لفظ کا بھی تغیر وتبدل نہیں کیا آپکو یہ الزام دیا جاتا ہے۔کہ آپ نے میم۔ح۔میم۔دال کی بجائے الف۔ح۔میم۔دال کر دیا ہے۔اور حسرت صاحب یہ کہہ رہے ہیں کہ:۔

''اگرچہ مرزا صاحب جیسے بزرگوار سے جو آیات قرآنی میں بھی تصرف کر لیا کرتے تھے(**لعنة اللّٰہ علی الکاذبین**)اس قسم کی توقع نہیں ہوسکتی۔کہ یہ قصیدہ ان کے تصرفات سے محفوظ رہا ہو۔''

اِس لئے اگر آپ فی الواقعہ کوئی تغیّر وتبدل کرتے۔تو نہ معلوم پھر مخالفین کیا کچھ اعتراض کرتے۔موجودہ حالات میں تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کسی عقلمند کے نزدیک موردِ الزام نہیں ٹھہر سکتے۔

تصحیح نسخ کے طریقے

حسرت صاحب نے پرانی قلمی اور مطبوعہ کتابوں کی تصحیح کے دو طریق کا ذکر کرتے ہوئے اپنی تہذیب وشرافت واخلاقی حالت کا یوں مظاہرہ کیا ہے۔

''بیچارے غلام احمدؐ قادیانی ان طریقوں سے قطعاً نابلد واقع ہوئے تھے۔انہوں نے نہ تو اس امر پرغور کیا۔کہ ان اشعار میں فن عروض کے اعتبار سے کیا کیا خامیاں ہیں۔اور نہ یہ ہوسکا کہ اس نسخے کا دوسرے نُسخوں سے مقابلہ کرلیتے۔''

حسرت صاحب !ذرا خدالگتی کہنا۔کیا یہ مناسب ہے؟ کہ جب ایک ثقہ شخص کسی شخص سے یہ بیان کرے۔کہ یہ قصیدہ فلاں شاعر کا ہے۔اوراس قصیدہ میں فن عروض کے لحاظ سے کوئی ایسی خامی پائی جاتی ہو۔جس کے مرتکب مسلم الثبوت اساتذہ فن بھی ہوئے ہوں۔تو اس خامی کی وجہ سے سامع اس قصیدہ میں ردوبدل شروع کردے۔میں سمجھتا ہوں۔کہ کوئی دیانت دار آدمی ایسا نہیں کرے گا۔اور دوسرے طریق کے مطابق تصحیح نہ کرنے کا الزام حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر اس وقت عائد ہوسکتا ہے۔جب کہ حسرت صاحب یہ ثابت کردیں۔کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے علم میں تھا۔کہ اس قصیدہ کے اور قدیم نسخے بھی ہیں۔جو اربعین والے قصیدہ سے اختلاف رکھتے ہیں۔ورنہ اس کے بغیر اعتراض کرنا پرلے درجہ کی لغویت ہے۔

حسرت صاحب نے تصحیح کے جو دوطریق بیان کئے ہیں۔وہ ایسے قصائد کے متعلق تو درست ہوسکتے ہیں۔جن میں تغیر وتبدل سے واقعات یا حقائق میں تبدیلی کا امکان نہ ہو۔لیکن اگر کوئی ایسا قصیدہ ہو۔جیسا کہ ہمارے زیر بحث ہے۔جس میں آئندہ کے متعلق پیشگوئیاں پائی جاتی ہیں۔تو اس میں میرے نزدیک پہلے طریق کے مطابق تغیر وتبدل کرنا قطعاً نادرست ہے۔اور اگر مختلف نسخے ہوں۔تو ان میں سے اس نسخہ کو ترجیح دی جانی چاہیئے۔جو واقعات کے مطابق ہو۔یا اگر کسی نسخہ کی قرآن مجید اور احادیث سے تائید ہوتی ہو۔تو اس کو سب نسخوں پر ترجیح دیجائیگی۔اور باقی نسخوں کو غلط قرار دیا جائیگا۔البتہ جو لوگ کذب صریح سے کام لینے کے عادی ہوتے ہیں۔اُنہیں قرآن مجید واحادیث اور واقعات

کے ساتھ تطابق کی ضرورت نہیں ہوتی وہ اگر عروض کے لحاظ سے کوئی خامی دیکھیں۔تو وہ اس کی خود تصحیح کردینگے۔ چاہے قصیدہ کہنے والا بوجہ پیشگوئی کے خلاف واقعہ اور قرآن مجید وحدیث کے مخالف ہونے کے جھوٹا ہی ثابت کیوں نہ ہو لیکن ایک ایماندار شخص ایسا ہرگز نہیں کرے گا۔ بلکہ اگر وہ دیکھے کہ قصیدہ میں بیان کردہ پیشگوئی پوری ہوگئی ہے۔یا وہ قرآن وحدیث کے مطابق ہے۔تو عروض کے لحاظ سے اگر وہ اس قصیدہ میں کوئی خامی بھی دیکھے گا۔تو اسے نظرانداز کرتے ہوئے اسی نسخہ کو صحیح قرار دے گا۔جس کی رو سے اس ولی کو صادق تسلیم کرنا پڑے گا۔

حسرت صاحب کے ۲ صریح جھوٹ

حسرت صاحب لکھتے ہیں:۔

(ا) کچھ عرصہ ہؤا۔ہم نے اس قصیدہ کی ایک اہم غلطی کی طرف جو مرزا صاحب کے قصر استدلال کا سنگِ بنیاد ہے اشارہ کیا تھا۔مقدسین قادیان نے پہلے تو اس طرف قطعاً توجہ نہ کی ۔لیکن جب خود ان کی جماعت کے لوگوں میں اس اعتراض کی بناء پر شبہات پیدا ہونے لگے۔اور مرزا صاحب کی امامت ومہدویت میں شک کیا جانے لگا۔تو اکابرِ قادیان مضطرب اور سراسیمہ ہوگئے اور انہوں نے جہالت کے حربے سے جو قادیان کا سب سے بڑا ہتھیار رہے۔اس کا جواب دینا چاہا۔''

مگر حسرت صاحب کا یہ کذب صریح ہے۔کیونکہ ''الفضل'' ۵ مارچ ۳۵ء میں مَیں نے جو ایک سائل کے جواب میں مضمون لکھا تھا۔وہ سائل احمدی نہ تھا۔ بلکہ غیر احمدی تھا۔اور اس نے حسرت صاحب کے اعتراض کا حوالہ نہ دیا تھا۔ بلکہ بعض اور غیر احمدی دوستوں سے اس نے یہ اعتراض سُنا تھا۔اور بغرض حصولِ جواب ہمارے پاس بھیجدیا تھا۔ پھر حسرت صاحب کا اپنی خودستائی کرتے ہوئے یہ کہنا (جبکہ چوہدری محمد حسین صاحب ایم۔اے اور میاں فیروزالدین صاحب لاہوری وغیرہ ان سے بہت پہلے یہ اعتراض کرچکے ہیں) کہ ''جب خود میرزائیوں میں شکوک پیدا ہونے لگے۔تو میاں شمس قادیانی دامن گردان کر اُٹھے اور ۵ مارچ ۳۵ء کے الفضل میں ایک مختصر سا مضمون لکھ

ڈالا۔'' کس قدر خلافِ واقعہ ہے۔

(۲) میں نے اپنے مضمون مندرجہ الفضل ۱۴ جون ۱۹۳۵ء میں غیر مبہم الفاظ میں یہ لکھ دیا تھا۔ کہ چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ قصیدہ اربعین سے نقل کیا ہے۔ اس لئے شعر میں تحریف کا الزام اگر عائد ہوسکتا ہے۔ تو صاحب اربعین پر۔ اصولی طور پر اگر آپ سے کوئی مطالبہ ہوسکتا ہے۔ تو وہ تصحیح نقل کا ہے کہ آیا اربعین میں یہ قصیدہ اسی طرح شائع شدہ ہے یا نہیں۔ جیسا کہ آپ نے لکھا ہے۔ اور اس کا فیصلہ اربعین کو دیکھ کر کیا جاسکتا ہے۔ یا مولوی محمد جعفر صاحب تھانیسری کی کتاب'' تائید آسمانی دررد نشان آسمانی'' کو دیکھ کر بھی ہوسکتا ہے۔ کیونکہ انہوں نے یہ قصیدہ صفحہ ۷ تا ۱۰ میں من وعن درج کر دیا ہے۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قصیدہ مندرجہ نشان آسمانی سے حرف بحرف مطابق ہے۔ اِس لئے اگر اس قصیدہ کا کوئی اور نسخہ ہو۔ اور بالفرض اس سے زیادہ صحیح ہو۔ تو بھی اس نسخہ کی عدم صحت کا الزام صاحب اربعین پر آسکتا ہے۔ نہ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر۔ لیکن باوجود میری اس تصریح کے حسرت صاحب نے ازراہ کذب وافترا یہ لکھ دیا ہے کہ'' چنانچہ اس بحث کے متعلق میاں جلال الدین شمس کا جو مضمون الفضل میں شائع ہوا ہے۔ اس میں مرزا صاحب کو اس قصیدہ کی صحت کا ذمہ دار قرار دیا گیا ہے

لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

اگر حسرت صاحب سچے ہیں۔ تو یہ الفاظ میرے مضمون مندرجہ الفضل سے دِکھائیں۔ لیکن ہرگز نہیں دکھا سکیں گے۔ پس یہ بھی ان کا صریح جھوٹ ہے۔ اور ایسے شخص کو جھوٹ بولنے سے کیا پرہیز جو'' احسان'' کا مدیر ہو۔ اور وہ بھی'' مطائبات'' کا جس میں ہنسنے ہنسانے کے لئے بھٹئی کا فرض ادا کیا جاتا ہے۔

زیر بحث قصیدہ کا قائل کون ہے!

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے نشان آسمانی میں لکھا ہے۔'' واضح ہو۔ کہ نعمت اللہ ولی دہلی کے نواح کے اور ہندوستان کے اولیاء کاملین میں سے مشہور ہیں ان کا زمانہ ۵۶۰ھ بحران کے دیوان کے حوالہ سے بتایا گیا ہے۔''

حسرت صاحب یہ عبارت نقل کر کے لکھتے ہیں۔ کہ ''مرزا صاحب شاہ نعمت اللہ کے حالات سے قطعاً بے خبر تھے۔''

پھر دولت شاہ سمر قندی کے تذکرہ سے جو حسرت صاحب کے نزدیک اس باب میں سب سے زیادہ قابلِ اعتماد کتاب ہے۔ لکھتے ہیں۔

''نعمت اللہ شاہ رخ مرزا کے عہد میں ہوئے جو خانوادۂ تیموریہ کا ایک باقبال فرمانروا تھا......شاہ صاحب سلوک وطریقت کے بزرگ تھے۔''

''اب فرمایئے کہاں وہ نواح دہلی کے مرد باخدا۔ اور کہاں نورالدین نعمت اللہ کرمانی۔ کرمان کو نواح دہلی میں سے قرار دینا بھی مرزا صاحب کی عجیب وغریب تحقیقات میں سے ہے۔''

''شاہ نعمت اللہ کے زمانہ کے متعلق بھی مرزا صاحب سے اس قسم کی غلطی ہوئی ہے۔ وہ ان کا زمانہ ۵۶۰ھ بتاتے ہیں۔ حالانکہ دولت شاہ کے بیان کے مطابق شاہ صاحب نے ۸۲۷ھ میں انتقال کیا۔ اور موضع ماہان میں دفن ہوئے۔''

لیکن حسرت صاحب کو یاد نہیں رہا۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے نعمت اللہ ولی کے متعلق جو کچھ لکھا ہے۔ وہ اربعین سے ماخوذ ہے۔ چنانچہ آپ کے الفاظ ''ان کا زمانہ ۵۶۰ھ ان کے دیوان کے حوالہ سے بتایا گیا ہے۔'' ظاہر کرتے ہیں۔ کہ آپ نے یہ حالات کسی کتاب سے لکھے ہیں۔ اور وہ کتاب اربعین ہی ہے چنانچہ اربعین کی اصل عبارت یہ ہے۔

''نعمت اللہ ولی کہ مرد صاحب باطن واز اولیاء کامل در ہندوستان مشہور اند وطن اورشاں دراطرافِ دہلی است زمانۂ شان پانصد وشصت ہجری از دیوان اورشان معلوم مے شود دراں ایں اجسیات در ہندوستان مشہور ومعروف است۔'' الرقوم ۲۵ محرم الحرام ۱۲۶۸ھ (مطبوعہ مصری گنج کلکتہ)

پس اگر یہ جہل ہے۔ تو اس کا الزام مؤلف اربعین پر عائد ہوتا ہے۔ نہ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر جنہوں نے اربعین سے نعمت اللہ ولی کے حالات لکھے۔

علاوہ ازیں حسرت صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو الزام دیتے ہوئے

یہ نہیں سوچا۔ کہ آپ تو بقول مؤلف اربعین یہ قصیدہ اس نعمت اللہ ولی کا بتا رہے ہیں۔ جس کا مسکن ہندوستان تھا۔ نہ کہ ماہان وکرمان۔ اور اسی ہندوستانی نعمت اللہ ولی کا زمانہ ۵۶۰ھ آپ نے لکھا ہے۔ نہ کہ نعمت اللہ کرمانی وماہانی وکوہستانی کا۔ اس لئے اس ضمن میں سب سے پہلے ہمیں اس امر پر غور کرنا چاہیئے۔ کہ آیا نعمت اللہ کرمانی کے علاوہ کوئی اور نعمت اللہ ولی بھی ہوئے ہیں یا نہیں۔ پھر یہ دیکھنا چاہیئے۔ کہ آیا زیر بحث قصیدہ شاہ نعمت اللہ کرمانی کا ہے یا کسی اور نعمت اللہ کا۔

نعمت اللہ ولی کئی تھے

اِس امر سے ہمارے مخالفین کو بھی مجالِ انکار نہیں کہ نعمت اللہ نام کے ولی کئی ہوئے ہیں۔ چنانچہ مولوی فیروز الدین صاحب لاہوری لکھتے ہیں۔

''بات یہ ہے۔ کہ نعمت اللہ نام کے کئی صاحب ہوئے ہیں۔ چنانچہ مرزائے قادیانی ایک نعمت اللہ شاہ صاحب کو قریب دہلی کا باشندہ قرار دیتے ہیں۔ اس کے سوا ایک نعمت اللہ شاہ صاحب کشمیری میں ہوئے ہیں۔ پس مقطع میں جہاں نعمت اللہ کا نام آیا۔ عوام دھوکہ کھا گئے۔ اور ان کا ذہن خود بخود ان نعمت اللہ شاہ ولی کرمانی کی طرف منتقل ہو گیا۔'' (قصیدہ ظہور مہدی علیہ السلام مع سوانح عمری حضرت شاہ نعمت اللہ ولی علیہ الرحمۃ ص۳۵)

اِسی طرح علامہ محمد ابو الحیات نے تذکرۃ الکرام کے ص۷۳۳ میں ہندوستان کے علماء اولیاء کا ذکر کرتے ہوئے ایک شاہ نعمت اللہ ولی کا ذکر کیا ہے۔ اور بعض اکابر سے انہوں نے یہ نقل کیا ہے۔ کہ جب آپ پیدا ہوئے۔ تو شاہ کالن قدس سرہ نے جو اپنے وطن موضع شہباز پور میں تشریف رکھتے تھے۔ فرمایا۔

''امروز شیخ الشیوخ زمانہ خود پیدا شد شب مارا حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہ بایں بشارت مسرور ومشکور گردانیدہ۔''

زیر بحث قصیدہ کس نعمت اللہ کا ہے

مسٹر براؤن اور رضا قلی ہدایت نے اس قصیدہ کو نعمت اللہ ولی کرمانی کی طرف منسوب کیا ہے۔ رضا قلی نے اس قصیدہ کا مصدر کوئی نہیں بتایا۔ کہ کہاں سے انہیں یہ قصیدہ

ملا۔اور پھراس کے شعر بھی صرف ۲۴ لکھے ہیں اور مسٹر براؤن نے ولی نعمت اللہ کے مقبرہ کے ایک درویش کے پاس اس نظم کا ایک قلمی نسخہ دیکھا۔جس سے اس کی ایک نقل حاصل کی ۔حالانکہ شاہ نعمت اللہ کرمانی کی ایک سب سے بڑی تصنیف ان کا دیوان ہے۔جس کا ذکرکرکے چوہدری محمد حسین صاحب ایم۔اے لکھتے ہیں۔

''دیوان کے متعلق پروفیسر براؤن لکھتے ہیں۔کہ میرے پاس اس کی طہران کی ۱۲۷۶ھ مطابق ۱۸۶۰ء کی چھپی ہوئی مکمل کاپی ہے۔''

''پروفیسر صاحب لکھتے ہیں۔کہ جس چھپے ہوئے دیوان کا اوپر ذکر کیا گیا ہے اس میں یہ نظم بالکل مفقود ہے۔ان کے عام اشعار پر رائے زنی کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔کہ ان کا کلام عام طور پر مبہم و پیچیدہ اقوال سے پُر ہے۔'' (کاشف مغالطہ قادیانی ۴۳)

یہی دیوان ہمارے پاس بھی موجود ہے۔جسے میں نے خود بھی اول سے لیکر آخر تک دیکھا ہے۔مگراس قصیدے کا اس میں کہیں نام ونشان نہ پایااس قصیدے کی شہرت اور خصوصاً اس دیوان کی طبعاعت سے بقول مولوی محمد جعفر صاحب تھانیسری ۱۶سال پہلے ۱۲۶۰ھ میں (ملاحظہ ہوتائید آسمانی درردنشان آسمانی ۶) یہ قصیدہ شائع ہو چکا تھا۔اور اربعین مطبوعہ ۱۲۶۸ھ کوشائع ہوئے آٹھ برس ہوچکے تھے۔نیز اس سے قبل بابی اسی قصیدہ سے علی محمد باب کی مہدویت پر استدلال کرتے تھے۔چنانچہ چوہدری محمد حسین صاحب لکھتے ہیں۔کہ پروفیسر براؤن نے ذکرکیا ہے۔کہ

''جب میں کرمان میں تھا۔تو بابی فرقہ کے لوگ مجھے بتایا کرتے تھے۔کہ باب کے ظہور کی تاریخ ۱۲۶۰ھ مطابق ۱۸۴۴ء بطور پیش گوئی اسی ''مے بینم'' کے قصیدہ میں بتائی گئی ہے۔'' (کاشف ۴۳)

لیکن اس قصیدہ کی شہرت کے باوجود شاہ نعمت اللہ کرمانی کے دیوان میں اس کا نہ پایا جانا اس بات کی دلیل ہے۔کہ یہ قصیدہ ولی کرمانی کا نہیں ہے۔

علاوہ بریں اہل فارس کی ہندوستان میں بکثرت آمدورفت تھی۔اورخود شاہ نعمت اللہ ولی کرمانی بھی ہندوستان میں تشریف لائے۔چنانچہ مولوی فیروزالدین صاحب لاہوری لکھتے ہیں:۔

''پھر ہندوستان تشریف لائے۔اور دکن میں احمد شاہ بہمنی کے ہاں چند دن گلبرگہ قیام فرمایا۔رجوعات بہت تھی۔اس لئے وہاں بھی نعمت آباد کے نام سے ایک موضع آپ کے نام پر آباد ہوا۔جواب تک موجود ہے۔'' (قصیدہ ظہور مہدی علیہ السلام ۱۹)

''سلطان شہاب الدین بہمنی دکنی آپ کے مریدوں میں سے تھے۔اور انہوں نے ہی ایک شخص بھیج کر آپ کی قبر پر گنبد وغیرہ بنوائی۔'' (مجمع الفصحاء جلد۲۔۴۳)

اِس لئے بہت ممکن ہے۔کہ یہ قصیدہ نعمت اللہ ولی ہندوستانی کا ہو۔اور نعمت اللہ ولی کرمانی کی طرف منسوب کر دیا گیا ہو۔علاوہ ازیں دوسرے قصائد جن کے متعلق کہا جاتا ہے۔کہ وہ جعلی ہیں۔اور ہندوستان میں مشہور ہے۔لیکن نعمت الہ ولی کی طرف منسوب کئے گئے ہیں۔ان سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔کہ یہ نعمت اللہ ولی کرمانی نہیں ہیں۔کیونکہ نعمت اللہ کرمانی امیر تیمور کے عہد میں ہوئے چنانچہ مجمع الفصحاً ء جلد۲۔۴۳ میں لکھا ہے۔جب امیر تیمور کے پاس امیر سید کلال نے یہ شکایت کی۔کہ نعمت اللہ ولی کے یہاں ٹھہرنے سے فساد کا خطرہ ہے۔تو امیر تیمور نے ان سے کہا۔

''شما از ولایت ما بیرون روید سید بعد از تامل گفتہ بہر ملک کہ سیر کروم مملکت شما بود۔پس کجا باید شد مع القصہ سید بماوراء النہر رفتہ۔''

امیر تیمور نے ۸۰۷ھ میں اور نعمت اللہ ولی نے ۸۲۷ھ یا ۸۳۴ھ میں علے اختلاف الروایات وفات پائی۔ایک قصیدہ جو نعمت اللہ ولی کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔اور ہندوستان میں مشہور ہے۔اس کے چند اشعار کا ترجمہ ''دی انڈین مسلمانز'' ''یعنے ہندوستانی مسلمان'' کے ۷۶ میں ڈبلیو۔ڈبلیو ہنٹر نے نقل کیا ہے۔اور اس کے ایک شعر کا ترجمہ یہ ہے:۔

I tell the truth there will be a King BY the name of Timur and he will reign thirty years. یعنی میں سچ کہتا ہوں۔کہ ایک بادشاہ تیمور نام کا ہوگا جو تیس سال حکومت کریگا۔اور یہ الفاظ اسی وقت بصورت پیشگوئی ہو سکتے ہیں۔جبکہ نعمت اللہ ولی امیر تعمور سے پہلے گزر چکے ہوں۔لیکن امیر تعمور نعمت اللہ کرمانی سے پہلے فوت ہو گئے تھے۔پس جس نعمت اللہ کی طرف یہ دوسرا قصیدہ منسوب کیا گیا ہے۔وہ لامحالہ نعمت اللہ کرمانی کے علاوہ تھے۔

اِن شواہد کی موجودگی میں اس امر پر زور دینا کہ یہ قصیدہ نعمت اللہ کرمانی کا ہے سراسر زیادتی ہے۔خود حسّرت صاحب نے بھی اس شبہ کا اظہار کیا ہے۔کہ یہ قصیدہ نعمت اللہ کرمانی کا نہیں ہے۔چنانچہ یہ سوال درج کر کے زیر بحث قصیدہ کیا واقع شاہ نعمت اللہ کے افادات عالیہ میں سے ہے۔لکھتے ہیں۔

''افسوس ہے کہ اس بحث کے ضمن میں اس سوال کا جواب دینا ناممکن ہے۔زیر بحث قصیدہ صرف مجمع الفصحاء اور براؤن کی تاریخ ادبیات ایران میں ملتا ہے۔شاہ صاحب کے ہم عہد یا قریب العہد تذکرہ نگاروں کی خاموشی سے یہ شبہ ضرور ہوتا ہے کہ یہ قصیدہ جعلی ہے اور بعض سیاسی ضرورتوں کے ماتحت وضع کرلیا گیا ہے۔''

پس جبکہ حسرت صاحب کے نزدیک قوی پہلو یہی ہے۔کہ یہ قصیدہ جعلی ہے اور شاہ نعمت اللہ کرمانی کی طرف منسوب کردیا گیا ہے تو اس صورت میں اُنہیں کوئی حق نہیں پہنچتا۔کہ اگر کوئی شخص اس قصیدہ کا قائل نعمت اللہ ہندوستانی کو قرار دے۔جو نعمت اللہ کرمانی سے پہلے ہوئے تھے۔تو اس کے متعلق یہ کہیں کہ وہ نعمت اللہ کرمانی کے حالات سے ناواقف و بے خبر ہے۔

مَیں پہلے بتا چکا ہوں۔کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نعمت اللہ ولی کے متعلق جو لکھا ہے۔وہ اربعین سے لیا ہے۔اور مولوی محمد جعفر تھانیسری مؤلف تاریخ و تواریخ عجیب و برکاتِ اسلام و سوانح احمدیؒ وکیل ریاست ارنولی نے ۱۸۹۲ء میں اپنی کتاب تائید آسمانی دررد نشانِ آسمانی کے ۴ پر لکھا ہے۔

''آٹھ نو برس ہوئے اربعین فی احوال المھدیین میں جس کے اخیر میں یہ اشعار (اشعار نعمت اللہ ولی) بھی چھپے ہوئے ہیں۔خود میرا بھیجا ہوا عرصہ دراز تک مرزا صاحب کے ملاحظہ میں رہ چکا ہے۔'' پھر صفحہ ۶ میں لکھتے ہیں:۔''شاہ نعمت اللہ ولی کے اس قصیدہ میں جو اربعین کیساتھ چھپا ہوا ہے۔کل ۵۵ شعر ہیں۔'' پھر صفحہ ۷ پر اس قصیدہ کو اس عنوان کے ماتحت لکھا ہے۔''قصیدہ نعمت اللہ ہانسوی جو تخمیناً سات سو برس ہوئے لکھا گیا تھا۔'' پس مولوی محمد جعفر تھانیسری کی یہ تحریر اور اربعین کی عبارت بتا رہی ہے کہ یہ نعمت اللہ کرمانی نہیں بلکہ ہندوستانی ہیں۔جو ہانسی کے رہنے والے تھے جو نواح دہلی میں سے ہے۔پھر اسی

قصیدہ کا مجمع الفصحاء مطبوعہ ۱۲۹۵ھ اور پروفیسر براؤن کی ادبیات ایران کی طباعت سے پہلے ہندوستان میں (اربعین اور کلکتہ ریویو جلد ۳) میں چھپ جانا اور جیسا کہ مسٹر ہنٹر نے اپنی کتاب ''دی انڈین مسلمانز'' کے ۶۳ء میں لکھا ہے اس قصیدہ کا شمالی ہندوستان میں اشاعت پا جانا اس امر کے زبردست قرآئن ہیں کہ اس قصیدہ کا قائل نعمت اللہ ولی کرمانی نہیں بلکہ ہندوستانی ہے اور خود حسرت صاحب کو بھی اس امر کا اعتراف ہے کہ شاہ صاحب کے ہم عہد یا قریب العہد تذکرہ نگاروں کی خاموشی سے یہ شُبہ ضرور پیدا ہوتا ہے۔ یہ قصیدہ شاہ صاحب کا نہیں ہے۔ نیز ان کے دیوان میں ایسے مشہور قصیدہ کا نہ پایا جانا بھی یہی ثابت کرتا ہے۔

پس حسرت صاحب کا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کرمانی کے حالات سے ناواقفیت کا الزام دینا جیسا کہ اوپر ذکر ہوٗا سراسر لغو اور بیہودہ ہے جب اس کا یہ قصیدہ ہی نہیں۔ تو پھر اس کے حالات سے واقفیت حاصل کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی اور حسرت صاحب کے لئے اس پر پیچ و تاب کھانے کا کونسا موقعہ تھا۔

(۱)

غین ورے سال چوں گذشت ازسال

بوالعجب کاروبارمے بینم!

میں نے اپنے مضمون مندرجہ الفضل ۱۴ جون ۳۵ء میں کُھلے لفظوں میں لکھ دیا تھا۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعوے کا دارومدار آیات قرآنیہ اور الہامات الٰہیہ پر ہے نہ کہ نعمت اللہ ولی کے کسی شعر پر۔ یہ شعر اور دوسرے بہت سے اقوالِ بزرگان تو حضورؑ نے مخالفین کے مسلمات کی بناء پر بطور تائید مزید پیش فرمائے ہیں نہ بطور مدارِ ثبوت۔ اور ایسے تائیدی امور کے پیش کرنے ے لئے صرف اتنا ہی کافی ہوتا ہے۔ کہ وہ مسلّماتِ خصم میں سے ہوں۔ چونکہ سید احمدؒ صاحب مجدد بریلوی کے اتباع کی بہت بڑی اکثریت اس قصیدہ کو صحیح اور درست خیال کرتی ہے۔ جو اربعین میں درج ہے۔ اس لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس قصیدے کو اپنی صداقت کا ایک نشان ٹھہرایا۔ اور ظاہر ہے۔ کہ یہ

قصیدہ نعمت اللہ ولی کرمانی کا ہو یا نعمت اللہ ولی ہندوستانی کا۔ اگر اس سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت پر استدلال ہوسکتا ہے۔ تو یہ واقعی آپ کی صداقت کا ایک نشان ہے۔ چونکہ یہ قصیدہ آپؑ کے دعویٰ سے ۴۰ سال پیشتر شائع ہو چکا تھا۔ اس لئے یہ شُبہ کرنے کی ہرگز گنجائش نہیں۔ کہ آپ نے اس قصیدہ میں اپنی خواہش کے مطابق کوئی تبدیلی کر دی اور حسرت صاحب کا اس قصیدہ کو جعلی قرار دینا یا یہ کہنا کہ ''ابتداء میں اس قصیدہ کے چند اشعار تھے۔ اور جوں جوں زمانہ گزرتا گیا۔ اس میں اضافہ ہوتا گیا۔'' اس نشان کو کمزور نہیں کرسکتا۔ جبکہ اس قصیدہ کی پیشگوئیاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آمد سے پوری ہوگئیں۔ البتہ ہمیں اس قصیدہ کی پیشگوئیوں پر بحث کرتے ہوئے یہ اصول نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے۔ کہ اکثر پیشگوئیاں استعارہ کے رنگ میں ہوتی ہیں۔ اور ان کا اپنے ظاہری الفاظ میں پورا ہونا ضروری نہیں ہوتا۔ اور اس بات کو ہر وہ شخص جانتا ہے جس نے قرانِ مجید اور احادیث کی پیشگوئیوں پر غور کیا ہے۔ لہٰذا اس قصیدہ کی پیشگوئیوں کو بھی اس اصل کے ماتحت لیا جائیگا۔ اور خصوصاً ان اشعار کی صحت میں شک کرنا قطعاً نادرست ہے۔ جنکی پیشگوئیاں قرآن مجید یا حدیث کے مطابق ہیں۔ البتہ اگر کوئی پیشگوئی ان اشعار میں ایسی ہو جو قرآن مجید یا حدیث کے مخالف ہو۔ تو ایسی پیشگوئی کو بوجہ قرآن و حدیث کی معارض ہونے کے غلط قرار دیا جائے گا۔ کیونکہ بعض وقت ملہم الہام کو اپنے فہم کے مطابق اپنے الفاظ میں بیان کرتا ہے۔ اور غلطی کھا جاتا ہے۔ اور وہ اصل میں ملہم کی اپنی اجتہادی غلطی ہوتی ہے۔

حسرت صاحب کا ایک اعتراض

اب میں ان اشعار کو لیتا ہوں۔ جن کی وجہ سے حسرت صاحب نے اس نسخہ کو جس سے صاحبِ اربعین نے قصیدہ نقل کیا۔ غلط قرار دیا ہے۔ لکھتے ہیں۔

''مرزا صاحب نے نشان آسمانی میں اس قصیدہ کے جو اشعار نقل کئے ہیں وہ غلطیوں سے معمور ہیں۔ مثلاً انہوں نے اس قصیدہ کا ایک شعر یوں نقل کیا ہے؎

غین وراسال چوں گزشت ازسال
بوالعجب کاروبار مے بینم

آپ حیران ہونگے ۔کہ پہلے مصرعہ میں دومرتبہ لفظ سال کیوں آیا۔اور سال از سال گزشتن کہاں کا محاورہ ہے۔لیکن مجمع الفصحاء کی جانب رجوع کیجئے۔تو آپ کو معلوم ہو جائے گا۔کہ اصل شعر یوں ہے۔

''غین ورا دال چوں گزشت از سال''

براؤن نے پہلے مصرعے میں غین کی بجائے عین لکھا ہے۔تاہم اس اختلاف سے شعر میں کوئی نقص واقعہ نہیں ہوتا۔اور شاہ نعمت اللہ پر یہ اعتراض نہیں کیا جاسکتا۔کہ انہوں نے ''سال از سال گزشتن'' کیوں لکھدیا۔یہ عجیب بات ہے کہ مرزا صاحب کو سال کی بے معنی تکرار اور ''سال گزشتن'' کی بوالعجبی کا احساس تک نہیں ہوا۔''

مگر مولوی فیروز الدین صاحب اپنے رسالہ ''قصیدہ ظہور مہدی علیہ السلام'' کے صفحہ ۲۷۔۲۸ میں لکھتے ہیں۔

''ظہور حوادث کے سال میں بھی اختلاف ہے۔یعنی ع۔ز۔دال چوں گزشت از سال کو صحیح سمجھا جائے۔تو ۱۰۷۷ء سال ہوتے ہیں............

کسی نسخہ میں ''غ۔ز۔ذال'' لکھا ہے۔اسکے مطابق ۱۷۰۷ ہجری نکلتا ہے............

کِسی نسخہ میں ''ض۔ز۔ذال'' لکھا ہے۔اس کے موافق ۱۵۰۷ء بنتے ہیں............

حروف اول ''ص۔ع۔ف'' وغیرہ بھی کئی نسخوں میں آئے ہیں۔جن کو اس واسطے نظر انداز کیا جاتا ہے۔کہ وہ عرصہ سے گزر چکے ہیں۔اب ان سے کوئی نتیجہ نہیں۔''

پھر بقول پروفیسر براؤن بابی فرقہ والے اس سے باب کے ظہور کی تاریخ ۱۲۶۰ھ نکالتے ہیں۔چنانچہ بابیوں کے رسالہ ''عمدۃ التفتیح'' کے صفحہ ۴۳ میں لکھا ہے۔

''اس شعر میں دستبرد فرمائی گئی ہے۔لفظ سال مکرر آنا شعراء جانتے ہیں کہ کیسا قبیح ہے۔اصل شعر تو اس طرح ہے۔

غین۔رے۔سین چوں گزشت از سال

بوالعجب کاروبارے بینم

یعنے ۱۲۶۰ سال کے گزرنے پر کاروبار عجیب نظر آرہا ہے۔''

مسٹر ہنٹر نے اپنی کتاب ''دی انڈین مسلمانز'' میں کلکتہ ریویو جلد ۳ صفحہ ۱۰۰ سے

۱۲۰۰ھ نقل کیا ہے۔ اور پھر حاشیہ میں لکھا ہے۔ کہ اصل نظم میں ۵۰ سال ہیں۔
چونکہ حسرت صاحب اور ان کے ہمخیال لوگوں کے نزدیک اصل حروف محفوظ نہیں ہیں۔ اس لئے ہر ایک نے حسرت صاحب کے اصل کو اختیار کر کے کہ تین حروف ضرور ہونے چاہیئں۔ (تا نعمت اللہ ولی پر یہ اعتراض نہ ہو سکے۔ کہ انہوں نے سال گزشتن از سال کیوں لکھدیا) یہ اختلاف کیا۔ اور اسی وجہ سے بابیوں کو بھی یہ جرأت ہوئی کہ وہ غین را۔ سین کہکر ۱۲۶۰ھ نکالیں۔ اور باب کے دعویٰ کی صداقت پر استدلال کریں۔
لیکن حق ظاہر ہو کر رہتا ہے۔ چاہے اس پر کتنے ہی پردے ڈال دیئے جائیں ؎

حجت صادق زنقض و قدح روشن تر شود
عذر نا معقول ثابت میکند الزام را

اصل شعر کیا ہے

اختلاف کرنے والوں کے پاس کوئی ایسی دلیل نہیں۔ جس سے یہ ثابت ہو۔ کہ اصل قصیدہ کے شعر میں وُہی حروف تھے۔ جن کا انہوں نے ادعا کیا ہے۔
لیکن جو شعر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اربعین سے نقل کیا ہے۔ (اس کی صحت پر ایک دلیل تو یہ ہے کہ سب سے پہلے یہ قصیدہ اربعین میں شائع ہوُا۔ یا کلکتہ ریویو جلد۳ صفحہ ۱۰۰ میں۔ جس سے مسٹر ہنٹر نے یہ اشعار نقل کئے۔ اور ان میں یہ شعر ''غین ورے سال چوں گزشت از سال'' ہے۔ اس سے پہلے ان شعروں کا مطبوعہ نسخہ کوئی نہیں تھا۔ اِس لئے لازمی طور پر ہمیں سب سے پہلے شائع شدہ نسخہ کو صحیح ماننا پڑے گا۔ اور دوسرے نسخوں کو ''جوشد پریشان خواب من از کثرت تعبیرہا'' کے مصداق ہیں۔ غلط قرار دینا ہوگا۔
علاوہ ازین ہمارے پاس اس کی صحت پر ایک اور قوی دلیل ہے۔ جس کے آگے ہر ایک ایماندار اپنی گردن خم کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اور وہ یہ حدیث ہے **عن ابی قتادۃ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الآیات بعد المائتین** (ابن ماجہ مطبوعہ مصر جلد۲ ۹۱۳) اور اسی صفحہ کے حاشیہ میں اس حدیث کی تشریح علامہ سندی نے یہ کی ہے **المراد بالمائتین المائتان بعد الالف** یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ عجائب

کاموں کا ظہور ۱۲۰۰ھ کے بعد شروع ہوگا۔ پس اس اصل کے ماتحت جس کا ''تصحیح نسخ کے طریقوں'' کے عنوان کے ماتحت میں ذکر کر چکا ہوں۔ ہر منصف مزاج کو یہ تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ نعمت اللہ ولی نے عجیب کاموں کے ظہور کا وقت وہی بتایا جو حدیث میں ہے۔ یعنی ۱۲۰۰ھ ہجری[1] اس لئے صحیح شعر یہی ہے۔

غین ورے سال چوگذشت از سال

بوالعجب کاروبارے بینم

سال گزشتن از سال کے محاورہ پر تعجب کا اظہار حسرت صاحب نے چودہری محمد حسین صاحب ایم۔اے کی تقلید میں بغیر سوچے سمجھے کردیا۔ اگر وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ترجمہ بغور پڑھ لیتے۔ تو اس قسم کی غلطی کا ارتکاب نہ کرتے۔ حضور نے اس کا یہ ترجمہ کیا ہے۔ ''اور ہجرت کے ۱۲۰۰ سال گزرنے کے ساتھ ہی میں دیکھتا ہوں۔ کہ بوالعجب کام ظاہر ہونے شروع ہوجائیں گے۔''

اس سے ظاہر ہے کہ مصرعہ کے دوسرے ''سال'' سے سن ہجری مراد ہے اور پہلا ''سال'' بارہ سو کی تمیز واقعہ ہوا ہے۔ یعنی سن ہجری (سن اصل میں سنة ہے جس کے معنے سال کے ہیں) میں سے جب بارہ سو سال گزر جائیں گے۔ تو عجیب عجیب کام ظاہر ہونے شروع ہونگے۔ پس ایک ولی کا بیان کردہ وقت جو اس نے بذریعہ کشف بتایا وہی صحیح ہوسکتا ہے جو حدیث کے مطابق ہو۔

(۲)

غم مخور زانکہ من دریں تشویش خُرّمی وصلِ یار مے بینم

مدیر احسان نے ''غلط فہمیاں'' ایک عنوان دیکر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ کہ (اربعین والا) قصیدہ کتابت کی اغلاط سے پُر ہے۔ اس کے ثبوت میں اس نے پہلا شعر

''غین راسال چوگزشت از سال''

پیش کیا تھا۔ جس کا جواب پہلے دیا جاچکا ہے۔

حاشیہ[1] چنانچہ اربعین کے ۴۹ پر لکھا ہے کہ شاہ عبدالعزیز صاحب نے اثناء عشریہ میں لکھا ہے کہ بعد بارہ سو ہجری کے حضرت مہدی کا انتظار کرنا چاہیئے۔ اور اسی حدیث سے انہوں نے استدلال فرمایا ہے۔

فکِ اضافت

اسی سلسلہ میں دوسرا شعر مندرجہ عنوان پیش کیا گیا ہے لکھا ہے۔''اس شعر میں خرّمی کی بجائے خرمن ہونا چاہیئے۔ کیونکہ خرّمی سے اضافت غائب ہو جاتی ہے۔اور یہ عیوب سخن میں سے ہے۔ براؤن اور ہدائت نے خرمن ہی نقل کیا ہے۔'' لیکن اگر کسی شخص نے صرف اس وجہ سے کہ ''خرّمی'' سے اضافت غائب ہو جاتی ہے۔اسے خرمن کر دیا۔تو اس سے یہ ثابت نہیں ہو جاتا کہ جس نسخہ میں خرّمی تھا وہ غلط ہو گیا۔زیادہ سے زیادہ یہ کہا جائے گا۔کہ صاحب قصیدہ نے فکِ اضافت کی ہے۔اور گو وہ عیوب سخن میں سے ہے۔لیکن اس قسم کا عیب بعض ایسے شعراء کے کلام میں بھی پایا جاتا ہے۔ جو اپنی جلالتِ شان کی وجہ سے مقبول خلائق ہیں۔مثلاً مولانا روم کی مثنوی جو اپنی حلاوت و شیرینی کی وجہ سے دنیا بھر میں مشہور ہے۔اس میں فکِ اضافت کو کثرت سے استعمال کیا گیا ے۔چنانچہ مولانا شبلی نعمانی ۔سوانح مولانا روم میں لکھتے ہیں۔''فکِ اضافت کو مولانا اس کثرت سے برتتے ہیں۔کہ جی گھبراتا ہے[۱]۔''

پس کسی نسخہ کو صرف اس وجہ سے غلط قرار دینا۔کہ اس کو صحیح ماننے سے کسی شعر میں سے اضافت غائب ہو جاتی ہے۔درست نہیں۔البتہ یہ کہا جا سکتا ہے۔کہ یہ شعر شاعر ہی سے دو طریق پر مروی ہے۔جیسا کہ بعض دفعہ شاعر ایک مصرعہ کو کئی صورتوں میں پڑھ لیا کرتا ہے۔

میرے نزدیک یہاں پر لفظ خرّمی ہی زیادہ موزوں ہے۔اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ السلام نے خرمن کو خرّمی نہیں بنایا۔ بلکہ اربعین میں خرّمی ہی لکھا ہوُا ہے۔مولوی محمد جعفر تھانیسری نے بھی اپنے رسالہ ''تائید آسمانی'' کے صفحہ ۷ پر اس شعر کو اسی طرح لکھا ہے۔اور وہ قدیم نسخہ جس کے متعلق حسرت صاحب نے بڑے فخر سے لکھا ہے۔

حاشیہ[۱] مثال کے طور پر ملاحظہ ہو مثنوی کا مصرعہ (۱) علم وحکمت زائدہ ازلقمہ حلال (۲) کے کند تصدیق اونالہ جماد (۳) معجزہ موسیٰ واحمدؐ درنگر (۴) نائب رحمان خلیفہ کردگار (۵) دل زاندیشہ بدی درپیش او۔ان مثال کے بعد فک اضافت کے متعلق یہ شعر تو حسرت صاحب کو اب بخوبی بزبان مولانا روم معلوم ہو جانا چاہیئے چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درویش اندر طعنۂ پاکاں برو۔

''ایک قدیم نسخہ خواجہ عبد الغنی کے پاس موجود ہے۔جو شملہ کے رئیس اور فارسی زبان کے فاضل ہیں۔''

اگر اخبار''احسان''والے اپنے فارسی زبان کے اس مسلمہ فاضل کا یہ''قدیم نسخہ''ملاحظہ فرمائیں گے۔تو اس میں بھی تیسواں شعر اس طرح لکھا ہؤا پائیں گے۔

غم مخمور زانکہ من دریں تشویش
خرّمی وصلِ یارمے بینم

اس کے بعد تو حسرت صاحب اور ان کے ہمنواؤں کو اربعین والے نسخہ کی صحت میں چوں و چرا نہیں کرنی چاہیئے۔کیونکہ ان کے مسلمہ فاضل کے قدیم نسخہ میں بھی''خرّمی نکل آیا۔مولوی فیروز الدین لاہوری نے بھی اپنے رسالہ میں اسی کو ترجیح دی ہے۔لہٰذا انصاف کا تقاضا یہی ہے۔کہ احسان والے خرّمی کو چھوڑ کر''خرمن''کے پیچھے نہ پڑیں۔

موزنیتِ الفاظ

تیسری وجہ اس شعر میں لفظ خرّمی کی موزونیت پر ذوقِ سلیم اور طبع مستقیم ہے۔''وصلِ یار''کے لئے خرمن کا استعمال طبیعت پر گراں گزرتا ہے۔اور معنوی لطافت جو لفظ خرّمی میں پائی جاتی ہے۔لفظ خرمن میں نہیں۔ایسی حالت میں تو حسرت صاحب کے نزدیک تمام مسلم الثبوت اساتذہ اور عام قواعد کی خلاف ورزی بھی کی جاسکتی ہے چنانچہ سر اقبال کے اس شعر پر

رو رہی ہے آج اِک ٹوٹی ہوئی مینا اسے
کل تلک گردش میں جس ساقی کے پیمانے رہے

جب یہ اعتراج ہؤا۔کہ میں اتو مذکر ہے۔اقبال نے اسے مؤنث کیوں باندھا؟ تو حسرت صاحب نے اس کا یہ جواب دیا۔کہ

''میں اکو تمام اساتذہ نے مذکر ہی باندھا ہے۔اور علامہ اقبال کے اس شعر کے سوا اس کی تانیث کے جواز میں کوئی مثال نہیں ملتی۔لیکن یہ عجیب بات ہے۔کہ اس شعر میں مینا بالتانیث ہی بھلا معلوم ہوتا ہے۔ (احسان ۱۹ جنوری ۱۹۳۵ء)

اب کیا یہ حیرانی کی بات نہیں۔کہ ایک شعر کو تو محض فکِ اضافت کی وجہ سے غلط قرار دیا جاتا ہے۔حالانکہ دوسرے شعراء کے کلام میں اس کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔لیکن ایک اور شعر میں تمام اساتذہ فن کے خلاف مذکر کو مونث بنا دینے سے بھی حسرت صاحب کے نزدیک کوئی نقص واقع نہیں ہوتا۔اوراس کو صرف اس لئے صحیح کہا جاتا ہے۔کہ ''اس شعر میں میں ابالتانیث ہی بھلا معلوم ہوتا ہے۔'' ایں چہ بوالعجبی است۔

پس جس طرح ''احسان'' والوں کو سر اقبال کے شعر میں مذکر کو مونث کر دینا موزوں معلوم ہوتا ہے۔اسی طرح معنوی لطافت کے لحاظ سے نعمت اللہ ولی کے شعر میں خرمن کی بجائے خرّمی بھلا معلوم ہوتا ہے۔

تیسرا شعر

حسرت صاحب نے ایک شعر یہ پیش کیا ہے۔کہ

چوں زمستان بے چمن بگذشت
شمسِ خوش بہار مے بینم

اس کے متعلق لکھتے ہیں۔

''شمس بالتسکین ثانی مستعمل ہے۔اوراس بحر میں کسی طرح نہیں آسکتا۔باقی رہا زمستان بے چمن تو وہ بھی قطعاً بے معنی ترکیب ہے......نہ تو شمس خوش بہار کے کوئی معنی کئے جاسکتے ہیں۔اور نہ زمستان بے چمن کی کوئی توجیہہ ممکن ہے۔مرزا صاحب نے زمستان بے چمن کے معنی تیرھویں صدی کا موسم خزاں کئے ہیں۔تیرھویں صدی کے معاملہ میں تو مرزا صاحب کو معذور سمجھنا چاہیئے۔لیکن حیرت ہے کہ یہ موسم خزاں کہاں سے ٹپک پڑا۔اور شمس خوش بہار سے یہ کیونکر ثابت ہوگیا کہ چودھویں صدی کے سر پر مجدد ظہور کرے گا۔''

اس طرح دادِ تحقیق دے چکنے کے بعد حسرت صاحب آگے یوں گلفشانی فرماتے ہیں۔

''اصل شعر میں لفظ پنجمیں بجائے بے چمن اور ششمش بجائے شمس ہے اور معنے صرف اس قدر ہیں۔کہ پانچ سال تک یہی کیفیت رہے گی۔اور چھٹے سال حالات میں تغیر

رونما ہوگا...... مجمع الفصحاء کے نسخہ ''غین۔را۔دال'' کے مطابق تو اس کے یہ معنی ہونگے کہ ۱۲۰۴ھ میں ایک ہنگامہ رونما ہوگا۔ اور خراسان مصر شام عراق میں جنگ وجدل کی آگ بھڑک اٹھے گی۔ فتنے برپا ہوں گے۔ دنیا پر ایک سخت تباہی آئے گی۔ پانچ سال یہی کیفیت رہے گی۔ اور چھٹے سال یعنی ۱۲۱۰ھ میں دنیا پلٹا کھائے گی۔ اور یہ ظاہر ہے۔ کہ اس واقعہ سے مرزا صاحب کا کوئی تعلق نہیں۔ اور اگر براؤن کے بیان کے مطابق یہ مان لیا جائے۔ کہ ''عین۔را۔دال'' جس کے اعداد بحساب جمل ۲۷۴ ہوتے ہیں۔ صحیح ہے......تو ان واقعات کو ۱۱۰۱ھ یا ۱۱۰۸ھ سے متعلق سمجھنا چاہیئے۔ اور اس صورت میں بھی اس قصیدہ کو مرزا صاحب پر منطبق نہیں کیا جا سکتا۔''

تاویلات رکیکہ

حسرت صاحب کی ان تاویلات رکیکہ کو اگر صحیح مان لیا جائے تو بے شک مسیح موعودؑ کے زمانہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں رہتا۔ لیکن پھر اس صورت میں حضرت نعمت اللہ ولی کے اس کشف کو بھی غلط اور خلاف واقعہ ماننا پڑتا ہے۔ کیونکہ یہ دونوں تاریخیں گزر چکی ہیں۔ اور ان میں اس شعر کے مطابق کوئی واقعہ اور مذکورہ ہنگامہ رونما نہیں ہوا۔ اور نہ امام مہدی کا ظہور ہوا۔ اور نہ مطابق نسخہ براؤن نائب مہدی۔ اور اس کے جانشین پسر کا ظہور ہوا۔ کیونکہ براؤن کے نسخہ میں اس کے آگے ''نائب مہدی آشکار شود'' بھی ہے۔

پس ایمانداری کا تقاضا یہ ہے۔ کہ حسرت صاحب کی تاویلات کو غلط مانا جائے۔ جیسا کہ مولوی فیروز الدین صاحب لاہوری نے لکھا ہے کہ

''حروفِ اول ص۔ع۔ف وغیرہ بھی کئی نسخوں میں آئے ہیں۔ جن کو اس واسطے نظر انداز کیا جاتا ہے۔ کہ وہ عرصہ سے گزر چکے ہیں۔ اب ان سے کوئی نتیجہ نہیں۔''

(رسالہ قصیدہ ظہور مہدی ۳۵)

بعینہٖ اسی طرح یہاں بھی پنجمیں اور ششمش والے نسخہ کو اس لئے غلط ماننا چاہیئے۔ کہ اس سے ایک ولی صاحبِ الہام کا کشف باطل ہوتا ہے۔ لہذا کشف کی صحت اور واقعات پر نظر کرتے ہوئے وہی نسخہ صحیح سمجھا جائے گا۔ جو صاحب اربعین نے نقل کیا ہے۔ کیونکہ

واقعات اس کی تائید میں ہیں۔اور اس کی تشریح بھی وہی درست ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کی ہے۔جیسا کہ آگے چل کر میں بیان کروں گا۔اور یہ بحث بھی آگے آئے گی۔کہ شمس کو ضرورت شعری کی وجہ سے متحرک الوسطہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔سر دست اس اعتراض کا جواب دینا مقصود ہے۔کہ ''زمستانِ بے چمن'' اور ''شمسِ خوش بہار'' دونوں مہمل ترکیبیں ہیں۔

مہمل ترکیبیں

میں حیران ہوں۔کہ وہ شخص جو اپنی زبان دانی اور علم کے گھمنڈ میں کسی کو خاطر میں نہیں لاتا۔اور سعدی شیرازی نظامی گنجوی فردوسی طوسی اور حافظ شیرازی وغیرہ پر بھی طعنہ زنی سے باز نہیں آتا۔وہ ان ترکیبوں کو مہمل قرار دیتا ہے۔حالانکہ ایک مبتدی بھی جان سکتا ہے۔کہ قواعد زبان فارسی میں ایک قاعدہ یہ بھی ہے کہ جب فاعل یا مفعول یا صاحبِ حالت کو اسی صفت کی طرف اضافت کر دیتے ہیں۔جیسے نوشیروانِ دادگر۔دادگر ایک صفت ہے۔جس کے معنی عادل کے ہیں۔اور نوشیرواں کے ساتھ اس کو ایک تعلق ہے۔اور وہ تعلق اضافت سے معلوم ہوتا ہے۔ایسی اضافت میں مضاف موصوف ہوتا ہے۔اور مضاف الیہ صفت ہوتی ہے۔اور اس اضافت کے معنی اردو زبان میں کا۔کے۔کی وغیرہ نہیں ہوتے۔جیسے مادرمہربان۔پدرِ بزرگوار استادِ شفیق وغیرہ روزمرہ گفتگو میں استعمال ہوتے ہیں۔یا یوں کہو۔کہ یہ مرکب توصیفی ہیں۔جو صفت اور موصوف سے ملکر بنے ہیں اور قاعدہ ہے۔کہ جب موصوف صفت سے مقدم آئے۔تو اس کے آخر کسرہ دیتے ہیں۔اور وقت تقدیم صفت کسرہ نہیں دیتے۔جیسے مردِ نیک اور نیک مرد۔

اس نحوی قاعدہ کے معلوم کر لینے کے بعد کوئی بالغ خرد انسان یہ نہیں کہہ سکتا۔کہ ''زمستانِ بے چمن'' اور ''شمس خوش بہار'' مہمل ترکیبیں ہیں۔معلوم ہوتا ہے۔حسرت صاحب نے بغیر سوچے سمجھے چوہدری محمد حسین صاحب ایم۔اے کی تقلید میں یہ مہمل اعتراض کر دیا کہ

''زمستان بے چمن کس مرغ کا نام ہے۔اور شمس خوش بہار کس زبان کی ترکیب

ہے۔مرزا صاحب کیا اس کو مہمل سمجھنے سے بھی قاصر تھے۔'' (کاشف ۲۲)
حالانکہ زمستانِ بے چمن کے معنی بالکل واضح ہیں۔زمستان کے معنی موسم سرما۔سردی اور جاڑے کے ہیں۔(فرہنگ آصفیہ) اورغیاث اللغات میں زمستان کو فصولِ اربعہ میں سے قرار دیا گیا ہے۔کیونکہ جس وقت سردی شروع ہوتی ہے۔فصلوں کے اعتبار سے وہی موسم خزاں ہوتا ہے۔ اِس لئے زمستان کو بے چمن کی صفت سے موصوف کیا گیا۔یعنے وہ موسم جس میں باغات اور گلزار خشک ہوجاتے ہیں۔چنانچہ مولانا آزاد نے''سخندانِ فارس'' میں زمستان کی کیفیت ان الفاظ میں بیان کی ہے۔
''جو درخت پتوں سے بھرے ہوئے تھے۔اب خالی جھاڑیاں کھڑے ہیں۔جیسے کسی نے کپڑے اُتار لئے۔'' (۱۲۸)
اور''تمام عالم ویرانہ ہے۔کھیت اور باغ سب سنسان ہیں......اس وقت نظامی کا دیباچہ اوراس کے خزاں کا مضمون مزا دیتے ہیں ا۔'' (۱۸۹)
زمستان کی اس تشریح سے''احسان'' کا عملۂ ادارت معلوم کرسکتا ہے کہ''موسمِ
کہ جب تیرھوی صدی کا موسم خزاں گزر جائے گا۔تو چودھویں صدی کے سر پر آفتاب بہار نکلے گا۔یعنے مجددِ وقت ظہور کرے گا۔''

تیرھویں اور چودھویں صدی

شعر کی مندجہ بالا تشریح کے متعلق حسرت صاحب نے اپنی فرومائگی کا ثبوت دیتے ہوئے لکھا ہے
''شرح میں جہالت کا ثبوت دیا ہے۔کیونکہ تیرھویں صدی ۔اوراس کا آخر خواہ مخواہ مراد لیا ہے......اور شمس خوش بہار یسے یہ کیونکر ثابت ہوگیا۔کہ چودھویں صدی کے سر پر مجدد ظہور کرے گا۔''
ہم لکھ چکے ہیں۔کہ شعر''غین دراسال چوں گزشت ازسال'' میں بتایا گیا ہے۔کہ ۱۲۰۰ھ کے بعد یعنی تیرھویں صدی میں عجیب وغریب امور کا ظہور ہوگا۔اور انواع واقسام کے فتنے برپا ہوں گے۔جو صدی کے آخر تک کمال کو پہنچ جائیں گے۔پس اس زہر کے تریاق

کے لئے چودھویں صدی کے شروع میں امام مہدی کا ظہور ہوگا۔ چنانچہ جس طرح موسم خزاں سال کا آخر ہوتا ہے۔ اسی طرح تیرھویں صدی کا آخری حصہ زمستان بے چمن کے مشابہ ہوگا۔ جس میں اسلام کا وہ شگفتہ باغ جس کی شادابی و لطافت میں قیامت کی دلفریبی تھی۔ ویران اور اجاڑ ہوجائے گا۔ چاروں طرف سے اس پر حملے ہونگے۔ اور ریاض دین بے مالی کے رہ جائے گا۔ تب اس کی آبپاشی کے لئے امام مہدی مبعوث ہوگا۔ جو باغ اسلام کو ازسرنو تروتازہ کریگا۔ اور اپنے دلائل و براہین کی تلوار سے مخالفوں کا قلع قمع کردے گا۔ اس مذکورہ بیان کی تائید اور شاہ نعمت اللہ ولی کے کشف کی تصدیق بعض احادیث اور سلف صالحین کے کشوف سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ نواب صدیق حسن خان صاحب لکھتے ہیں۔

''وبعض از مشائخ واہل علم گفتہ اند کہ خروجِ اُو بعد از دوازدہ صد سال از ہجرت شود۔ ورنہ از سیزدہ صد سال تجاوز نکند۔'' (حجج الکرامہ ۳۹۴)

''پس تواں گفت کہ دریں دہ سال کہ از زمانۂ ثالث عشرہ باقی است ظہور کند یا برسرصد چہارم۔'' (۴۱)

''جوہر تقدیر ظہور مہدی برسرصد آئندہ احتمال قوی دارد۔'' (حجج الکرامہ ۵۳)

پس آثار کے مطابق مہدی کے ظہور کا وقت چودہویں صدی کا سر قرار دیا گیا ہے...... اور اسی کے مطابق حضرت نعمت اللہ ولی کا کشف ہے۔ اسی طرح حافظ برخوردار

حشیہ ۱؎ اس شعر میں زمستان بمقابل شمس ہے۔ اور بے چمن بمقابل بہار ہے۔ حدیث میں آیا ہے۔ اغتنموا ابرد الربیع فانہ یحمل بابدانکم کما یعمل باشجارکم واجتنبوا ابرد الخریف فانہ یعمل بابدانکم کما یعمل باشجارکم اس کی تشریح میں مولانا روم فرماتے ہیں گفت پیغمبر زسرمائے بہار تن مپوشانید یاراں زینہار۔ لیک بگریزید از باد خزاں۔ کاں کندکاں کرد با باغ وزاں۔ خزاں کہاں سے ٹپک پڑا۔'' اب واضح ہوگیا۔ کہ زمستان میں موسمِ خزاں ہوتا ہے۔ اس لئے زمستان کی صفت بے چمن بیان کی گئی۔ اور چونکہ اس بے چمن زمستان کے بعد صدی کا موسمِ بہار آنے والا تھا۔ اس واسطے اس کو ''خوش'' کے ساتھ موصوف کر کے طلوع آفتاب کی خبر دیگئی۔ پس اس شعر کی جو تشریح حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کی ہے۔ وہی درست ہے پس شاہ نعمت اللہ کے اس شعر میں بھی تیرھویں صدی کے آخر کو زمستان بے چمن یعنے ایسی زمستان سے جس میں خزاں واقع ہو۔ تشبیہ دی گئی ہے۔

صاحب نے اپنی کتاب انواع میں جو پنجابی زبان میں ہے لکھا ہے۔

پچھے اک ہزاردے گزرے ترے سو سال
عیسےٰ ظاہرہوسیا کرسی عدل کمال

یعنے تیرہ سوسال گزرنے کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام ظاہر ہونگے۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے اپنے رسالہ اشاعتہ السنتہ جلد ۶ نمبر ۱۳ ۶۱۲ پر لکھا ہے کہ ''پہلے علماء نے بھی چودھویں صدی ظہور عیسےٰ ومہدی کی ٹھیرائی ہے۔ اور مؤلف ''حدیث الغاشیہ'' نے چودھویں صدی کا سال ہفتم ظہور مہدی کے لئے بعض اہل اللہ کے اقوال کے رو سے بتایا ہے۔ چنانچہ اسی کے مطابق حضرت بانی سلسلہ احمدیہ عین ۱۳۰۷ھ میں باعلام الٰہی بیعت کا اعلان شائع فرمایا۔ فالحمدللہ۔

(۶)

دَورِ او چوں شود تمام بکام
پسرش یادگارمے بینم

مَیں نے لکھا تھا۔ کہ اس شعر سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ کہ اس قصیدہ میں احمدؑ سے مراد حضرت بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ علیہ السلام ہیں۔ کیونکہ آپ کا پسر آپ کا جانشین اور خلیفہ ہؤا۔ مگر یا حسرۃ علی العباد حسرت صاحب واقعات سے آنکھیں بند کرکے کہتے ہیں۔

''زمستان پنج میں یا بقول مرزا صاحب زمستان بے چمن والے شعر کے بعد مجمع الفصحاء اور تاریخ ادبیات ایران دونوں میں یہ شعر نقل کیا گیا۔ کہ ''نائب مہدی آشکار شود۔ بلکہ من آشکارمے بینم''۔ لیکن مرزا صاحب نے یہ شعر نقل نہیں کیا۔ اس خیانت کی وجہ ظاہر ہے۔ وہ تو اس قصیدہ کو اپنے دعویٰ مہدویت کے ثبوت میں پیش کرنا چاہتے تھے۔ یہ شعر نقل کردیتے۔ تو سارا کھیل بگڑ جاتا۔ انہیں دعویٰ مہدویت کی بجائے دعویٰ نیابت پر اکتفا کرنا پڑتا۔ اس کے بعد انہوں نے یہ شعر لکھا ہے۔

دَورِا و چوں شود تمام بکام
پسر یادگارمے بینم

اس شعر نے مرزا صاحب کی خیانت بالکل ظاہر کردی۔ پسرش میں شین کی ضمیر

نائب مہدی کی طرف راجع ہے''۔

کھلا ہوا افترا

اِن سطور میں حسرت صاحب کا حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر خیانت کا الزام لگانا کھلا ہوا افترا اور سراسر بد دیانتی ہے۔ کیونکہ اربعین کا قصیدہ جو مولوی محمد جعفر تھانسیری نے اپنے رسالہ تائید آسمانی میں درج کیا ہے۔ اس میں ''نائب مہدی آشکار شود'' والا شعر نہیں ہے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے۔ کیونکہ ظہور مہدی سے قبل ایک نائب مہدی کا ہونا اور ان صفات عالیہ سے متصف ہونا جو قصیدہ میں بیان کی گئی ہیں لامعنی بات ہے۔ ایسے نائب مہدی کی احادیث میں قطعاً کوئی خبر نہیں۔ کہ اس کے بعد اس کا جانشین اس کا بیٹا ہوگا۔ ہاں مسیح موعودؑ کے لئے یہ پیشگوئی ہے۔ کہ یتزوج ویولد له یعنے وہ شادی کرے گا۔ اور اس کے اولاد ہوگی۔ جس میں بزبان نبوی صلے اللہ علیہ وسلم ''پسرش یادگار مے بینم'' کا مضمون بیان کیا گیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ مسیح موعود اور مہدی ایک ہی ذات کے دو لقب ہیں جیسا کہ ابن ماجہ میں ہے۔ **لا مھدی الا عیسیٰ بن مریم**

پس یہ بات صاف ہوگئی۔ کہ شاہ نعمت اللہ ولی کے اس کشف میں صرف مہدی موعود کے پسر کی طرف اشارہ ہے۔ کسی نائب مہدی کا ذکر نہیں ہے چونکہ مجمع الفصحاء کا مرتب اور مؤلف ایک شیعہ ہے۔ اس لئے بالکل ممکن ہے۔ کہ اس نے شیعوں کی کسی روائت کی بناء پر جس میں نائب مہدی کا ذکر ہو۔ یہ شعر زائد کر دیا ہو۔ کیونکہ شیعوں کا عقیدہ ہے۔ کہ امام محمد غائب جو امام مہدی ہیں۔ ان کا ہر زمانہ میں کوئی نہ کوئی نائب رہتا ہے۔ اس شعر کے زائد ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے۔ کہ خود حسرت صاحب اس قصیدہ میں کمی و بیشی ہونے کا اقرار کر چکے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں:۔

''ابتداء میں اس قصیدہ کے چند اشعار تھے۔ جوں جوں زمانہ گزرتا گیا اِن میں اضافہ ہوتا گیا۔ اس خیال کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ مجمع الفصحاء میں اس قصیدہ کے ۲۴۔ اشعار ہیں۔ براؤن کے زمانہ میں ان کی تعداد ۵۰ تک جا پہنچی۔ اور ہندوستان میں اس کے جو نسخے موجود ہیں۔ ان میں سو۱۰۰ سو۱۰۰ اشعر ہیں''۔

مولوی فیروز الدین اپنے رسالہ ظہور مہدی کے ۳۶ پر لکھتے ہیں۔ ''اس قصیدہ کے ستاون ۵۷ شعر ہیں۔ حالانکہ مجمع الفصحاء مصنفہ رضا قلی خاں میں صرف ۵۰ شعر ہیں۔ پھر ایک نسخہ میں بیالیس ۴۲ شعر ہی لئے گئے ہیں۔ لیکن ان بیالیس میں کچھ ایسے بھی ہیں۔ جو ۵۰ میں نہیں آئے۔ اور کہیں کہیں بعض الفاظ میں تغیر و تبدل بھی ہے۔ پروفیسر براؤن نے جو نقل حضرت کے مجاوروں کے ایک قدیم نسخہ سے مہیا کی۔ اس میں ۵۲ شعر تھے۔ لیکن ان میں وہ دو شعر موجود نہ تھے جو مجمع الفصحاء میں درج ہیں۔ خواجہ (عبدالغنی) صاحب نے ندوۃ العلماء والے نسخہ سے مقابلہ کیا۔ تو ان کے شعر ۵۵ نظر آئے۔ جس میں پروفیسر صاحب کے قصیدہ کے دو شعر ندارد تھے۔ اور سات اور موجود تھے''۔

قصیدہ کی ترکیب کے لحاظ سے جو استدلال حسرت صاحب نے کیا ہے وہ بھی درست نہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک اس قصیدہ کی ترتیب ہی محفوظ نہیں ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔ ''اشعار کی ترتیب میں بھی بہت اختلاف ہے''۔

پس پروفیسر براؤن کے نسخہ کے مطابق حسرت صاحب کا تا چہل سال اے برادر من'' کو نائب مہدی کے پسر سے متعلق کرنا غلط ہے۔ کیونکہ خواجہ عبدالغنی صاحب رئیس شملہ جو بقول حسرت صاحب زبان فارسی کے مسلمہ فاضل ہیں۔ ان کے نسخہ کی ترتیب کے مطابق یہ چھیالیسواں شعر ہے۔ اور امام مہدی کے متعلق ہے اور چونکہ مہدی کے چالیس سالہ قیام کا ذکر احادیث میں بھی پایا جاتا ہے۔ لہذا یہ شعر امام مہدی کے متعلق ہی ہے۔ نائب مہدی کا ذکر نہیں۔ ہاں اگر سید احمدؒ صاحب بریلوی مجدد تیرھویں صدی کو امام مہدی کے ظہور سے قبل نائب مہدی قرار دیا جائے۔ تو اس میں کوئی متنکو بات نہیں۔ مگر ''پسرش یادگار مے بینم بہرحال مسیح و مہدی سے متعلق سمجھا جائیگا۔ اوّل اس لئے کہ حدیث میں پسر مہدی و مسیح کے یادگار ہونے کا صاف اشارہ موجود ہے۔ ملاحظہ ہو۔ یولد لہٗ (حدیث) دوسرے اس لئے کہ اربعین کے قصیدہ میں نائب مہدی کا کوئی ذکر نہیں۔

(۵)

تا چہل سال اے برادرِ من!
دَور آں شہسوار مے بینم

دُنیا میں امام مہدیؑ کتنے سال ٹھہرینگے!

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تشریح متعلقہ شعر۔''تا چہل سال اے برادرِمن'' پر حسرت صاحب نے جو اعتراض کیا ہے۔اس کا خلاصہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنی عمر بعد از دعویٰ ماموریت چالیس سال بتائی ہے۔لیکن حقیقت میں آپ نے ۲۶ سال عمر پائی۔اور اس لحاظ سے آپ کی کل عمر ٦٦ سال ہوئی۔اور عمر والا الہام کہ ۸۰ برس کے قریب ہوگی غلط ثابت ہوا''۔اس کے جواب میں یہ بات یاد رکھنی چاہیئے۔کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے براہین احمدیہ حصہ پنجم میں لکھا ہے کہ عمر کا صحیح اندازہ تو خدا ہی کو معلوم ہے لیکن اندازاً اب میری عمر ۷۰ برس کے قریب ہے۔اس اندازہ کے مطابق حضور کی کل عمر ۷۵ سل بحساب قمری ہوتی ہے جو الہام کے عین مطابق ہے۔اسی طرح اعجاز احمدی ۳ پر تحریر فرماتے ہیں۔''آتھم کی عمر میری عمر کے برابر تھی قریب ۶۴ سال کے''اور آتھم ۱۸۹٦ء میں مرا ہے۔اس لحاظ سے حضورؑ کی عمر ٦۷ سال بنتی ہے۔اور یہ اندازہ بھی الہام کے عین مطابق ہے۔حقیقۃ الوحی ۱۹۹ پر فرماتے ہیں۔

''یہ عجیب امر ہے۔اور میں اس کو خدا تعالیٰ کا ایک نشان سمجھتا ہوں۔کہ ٹھیک ۱۲۹۰ھ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ عاجز شرف مکالمہ ومخاطبہ پا چکا تھا''۔اور تریاق لقلوب ٦۸ پر تحریر فرماتے ہیں۔کہ''جب میری عمر چالیس برس تک پہنچی۔تو خدا تعالیٰ نے اپنے الہام اور کلام سے مجھے مشرف کیا''۔

ان حوالجات سے معلوم ہوا ہے کہ ۱۲۹۰ھ میں حضورؑ کی عمر کم از کم ۴۰ سال کی تھی۔اور ۱۳۲٦ھ میں حضورؑ کا وصال ہوا۔تو کل عمر حضورؑ کی ٦۷ سال ہوئی۔اور الہام الٰہی کہ ۸۰ برس کے قریب عمر ہوگی۔صحیح ثابت ہوا۔نشان آسمانی میں حضورؑ نے شاہ نعمت اللہ ولی کے اس شعر کی تشریح میں ایک خاص قسم کی دعوت مراد لیکر چالیس سال تک اپنا زندہ رہنا بیان فرمایا ہے۔لیکن چونکہ پیشگوئی کی اصل حقیقت بعد از وقوع معلوم ہوئی ہے۔ورنہ اکثر تو یہی ہوتا ہے۔کہ پیشگوئی ابہام واستعارات سے پرُ ہوتی ہے۔اور اس کی وجہ یہ۔کہ اگر ایسا نہ ہو تو ایماں بالغیب جو ہر نبی کے ساتھ لازمی ہے نہیں حاصل ہوتا۔اور شقی وسعید کا امتحان نہیں

ہوسکتا۔ پس اپنی عمر کے متعلق حضور کا یہ فرمانا کہ اصل اندازہ خدا ہی کو معلوم ہے۔ بالکل صحیح ہے۔ کیونکہ حضور کی تاریخ ولادت محفوظ نہ تھی۔ جیسا کہ پنجاب میں عام رواج ہے اور یہ امر قابلِ اعتراض نہیں۔ ہزار ہا اہل اللہ ایسے گذرے ہیں۔ جن کی تاریخ ولادت کا کچھ پتہ نہیں۔ چنانچہ حضرت مسیح ناصری علیہ السلام جن کے مثیل ہونے کا حضورؑ کو دعویٰ ہے۔ ان کی تاریخ پیدائش بھی محفوظ نہ تھی۔ ہاں یہ اعتراض اس صورت میں صحیح ہوسکتا۔ جبکہ الہام الٰہی سے مشرف ہونے کے بعد کسی صورت میں ۴۰ سال آپ زندہ نہ رہتے۔ لیکن براہین احمدیہ ہی سے یہ بات ثابت ہے کہ آپ مکالمہ الٰہیہ سے مشرف ہونے کے بعد پورے ۴۰ سال زندہ رہے۔ چنانچہ براہین احمدیہ ۵۲۰ پر آپؑ کا یہ الہام درج ہے۔ کہ ''بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے'' یہ الہام ۱۸۶۸ء یا ۱۸۶۹ء میں ہوا۔ اور یہ ایک رنگ میں حضور کے تمام دعاوی پر مشتمل ہے۔ اس لحاظ سے دعویٰ الہام کے بعد حضور پورے ۴۰ سال زندہ رہے۔ کیونکہ ۱۹۰۸ء میں حضورؑ کی وفات ہوئی ہے۔ پس شاہ نعمت اللہ ولی کا یہ شعر ہے

تا چہل۔ سال۔ اے۔ برادرِ من!
دَور آں شہسوار مے بینم

آپ پر بالکل راست آیا۔

مہدی کے قیام کے متعلق اختلاف

احادیث میں مہدی کی مدتِ قیام کے بارے میں مختلف روایات آئی ہیں۔ ایک روائت میں ۷ سال ہے۔ اور یہی مدت صحیح مسلم میں مسیح موعودؑ کی بیان کی گئی ہے۔ ایک روائیت میں ۱۹ سال چند ماہ۔ ایک میں ۲۴ سال ایک میں ۳۰ سال۔ اور ایک روائیت میں ۴۰ سال بیان ہوئی ہے اب اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعاوی اور الہامات سے مشرف ہونے کے اوقات وسنین کو مدنظر رکھا جائے تو یہ تمام مدتیں حضورؑ کی زندگی پر منطبق ہو جاتی ہیں۔ ۴۰ سال کے متعلق تو میں بیان کر چکا ہوں۔ دوسرے سنین کے متعلق یہ گزارش ہے۔ کہ آپ کے مجدد ہونے کے دعویٰ کی مدت ۲۴ سال ہے اور کثرتِ الہامات کی مدت کو لیا جائے۔ تو ۳۰ سال۔ اور مسیحیت ومہدویت کے دعویٰ کی مدت ۱۹ سال بنتی ہے۔ اور جب

آپ کو صریح طور پر نبی کا خطاب منجانب اللہ دیا گیا۔اور حضور نے اپنی تحریرات میں بکثرت اپنے لئے نبی و رسول کے الفاظ استعمال فرمائے۔تو سات سال بنتے ہیں۔یہ سب مدتیں قیام مہدی کی احادیث میں بیان ہوئی ہیں۔اور اِن تمام مدتوں کا حضرت مسیح موعود کی زندگی میں بتائید الٰہی مستحقق ہو جانا حضور کی صداقت پر ایک روشن دلیل ہے۔اور اہل بصیرت کے لئے ایک نشان ہے

کافی ہے سوچنے کو اگر اہل کوئی ہے!

حضور کا یہ دعویٰ روایات و آثار کے بالکل مطابق ہے۔چنانچہ حجج الکرامہ کے ۳۹۵ پر یہ روائیت درج ہے۔''ابونصر از ابوعبداللہ جعفر صادق آوردہ۔کہ بیرون نیامد مہدی مگر درسالہائے طاق۔سال یکم یا سوم یا پنجم یا ہفتم یا نہم گویا عشرہ اولیٰ را اول مأتہ ثمردہ اند''۔کہ مہدی طاق سالوں میں دعویٰ کرے گا۔چنانچہ اس کے عین مطابق حضور نے مسیح و مہدی ہونے کا دعویٰ ۱۳۰۷ھ ہجری میں کیا۔فالحمد للہ

(۶)

اشعار میں ہندوستان کا ذکر

سکّہٗ نوز نند بررُخ زر!
درہمش کم عیارے بینم!

یعنے ہندوستان کی پہلی بادشاہت جاتی رہے گی۔اور نیا سکّہ چلیگا۔جو کم عیار ہوگا۔اور یہ سب کچھ تیرھویں صدی میں سلسلہ وار ظہور میں آئے گا''۔

جنگ وآشوب فتنہٗ وبیداد
درمیان و کنار مے بینم!

''یعنے ہندوستان کے درمیان میں۔اور اس کے کناروں میں بڑے بڑے فتنے اُٹھیں گے''۔

اشعار کی مندرجہ بالا تشریح پر جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کی ہے۔چراغ حسن حسرت صاحب بہت چراغ پا ہوئے ہیں۔چنانچہ لکھتے ہیں۔''اِن اشعار میں ہندوستان

کا کہیں نام نہیں۔لیکن میرزا صاحب نے خوامخواہ ہندوستان کا ذکر کر دیا‘‘۔

’’صاف تشریح کر دی گئی ہے۔کہ اِن اشعار کا تعلق کن ملکوں سے ہے۔

در خرسان مصر و شام و عراق
فتنۂ و کار زار مے بینم

’’البتہ ایک مقام پر ہندوستان کے باشندوں کا ذکر آیا ہے لیکن کس طرح۔

حالِ ہندو خراب مے یابم
جور ترک وتتار مے بینم

لیکن یہ شعر صرف براؤن کے ہاں ملتا ہے۔رضا قلی ہدایت نے بھی اس کا ذکر نہیں کیا۔اور مرزا صاحب کے ہاں بھی کہیں موجود نہیں‘‘۔

کسی نے سچ کہا ہے۔

آں کس کہ نداند و بداند کہ بداند
درجہلِ مرکب ابدالد ہر بماند

یہی حال بیچارے حسرت صاحب کا ہے۔ان کا یہ دعویٰ کہ آخری شعر صرف براؤن کے ہاں ملتا ہے۔بالکل غلط اور صاف جھوٹ ہے۔کیونکہ ان کے مسلّمہ فاضل خواجہ عبدالغنی صاحب شملوی کے نسخہ کا چوبیسواں شعر اور اربعین کے قصیدہ کا انتیسواں شعر یہی ہے۔پھر ان اشعار کا ہندوستان سے متعلق ہونا صرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہی نے نہیں لکھا۔بلکہ سید احمد صاحب مجدد بریلوی کے مریدوں نے بھی لکھا ہے۔چنانچہ مولوی محمد جعفر تھانسیری شعر۶ کی تشریح یوں کرتے ہیں:۔

’’یہاں کسی نئی عملداری کا ذکر ہے۔غالبًا سرکار انگریزی کی عملداری مراد ہوگی۔جو بعد شروع ہونے تیرھویں صدی ہجری کے اس ملک میں ہوئی ہے‘‘۔

اور شعر۔

بعض اشجار بوستانِ جہاں
بے بہار وثمار مے بینم

کی تشریح میں لکھتے ہیں۔’’یہاں ہندوستان کی قحط سالیوں کا بیان ہے‘‘۔

اِس میں شک نہیں۔کہ قصیدہ میں خراسان مصروشام وعراق وغیرہ ممالک میں فتنوں اور جنگوں کی خبر دی گئی ہے۔لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا۔کہ ان اشعار میں بھی یہی ممالک مراد ہیں۔کیونکہ اگر مذکورہ ممالک مراد لئے جائیں۔تو ''درمیان وکنار'' کا تعلق کس ملک سے ہوگا؟ نیز شام وعراق وخراسان میں تیرھویں صدی میں کسی بیرونی حکومت کا نیا سکّہ جاری نہیں ہوا۔اِس لئے اگر ہندوستان مراد نہ لیا جائے۔تو کشف غلط ماننا پڑتا ہے۔

تیسرے یہ قصیدہ نعمت اللہ ولی ہندوستانی کا ہے۔اِس لئے اصل مقصود بالذکر اشعار مندرجہ بالا میں ہندوستان مراد ہو کیونکہ احادیث صحیحہ سے ظاہر ہوتا ہے۔کہ مسیح موعود جو امام مہدی ہے۔(جیسا کہ مسند امام احمدؒ بن حنبل اور ابن ماجہ کی حدیث میں مسیح موعود کے متعلق (اماماًمھدیاً آیا ہے) اس کے ظہور کی جگہ ہندوستان ہوگی۔اور اس کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔مسیح موعود دمشق کے شرقی جانب نازل ہونگے۔دوسری حدیث میں ہے کہ بیت المقدس میں اُتریں گے(ابن ماجہ)اور اسی کے متعلق حاشیہ میں لکھا ہے۔کہ امام جلال الدین سیوطی نے اس حدیث کو اس لئے ترجیح دی ہے۔کہ دوسری روایات اس کے مخالف نہیں ہیں۔کیونکہ بیت المقدس دمشق کے مشرق میں واقع ہے۔اور مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ملاعلی قاری نے بھی امام سیوطیؒ کی اسی بناء پر تائید کی ہے۔لیکن حافظ ابن کثیر کہتے ہیں۔کہ دمشقی حدیث ہی زیادہ مشہور ہے۔

اِن ائمہ کے اقوال سے یہ ثابت ہوتا ہے۔کہ دمشق کے شرقی جانب نزول سے مراد کوئی ایسی جگہ تھی۔جو دمشق سے مشرق میں ہو۔خاص دمشق میں اُترنا مُراد نہیں۔اور یہی بات درست ہے۔کہ مسیح موعود ایسے مقام سے ظاہر ہونگے۔جو دمشق سے مشرق میں واقع ہوگا۔لیکن پہلے علماء نے جو تطبیق دی تھی وہ غلط ہے۔کیونکہ بیت المقدس دمشق میں نہیں۔بلکہ جنوب مغرب میں واقع ہے۔ہاں قادیان دمشق سے عین مشرق میں ہے۔

اِسی طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے دجال کا مقام خروج مشرق بیان فرمایا۔واومأبیدہ الی المشرق(مسلم) یعنے اپنے ہاتھ سے مشرق کیطرف اشارہ بھی کیا۔اور چونکہ مسیح موعودؑ کا نزول دجال کے مقابلہ کے لئے ہوگا اس لئے بدلالت التزامی یہ ثابت ہوا۔کہ مسیح موعود کا ظہور بھی حجاز سے مشرق میں ہوگا۔پس پہلی حدیث کی بناء پر مسیح

موعود کی جائے ظہور دمشق سے مشرق میں قرار دی گئی ہے۔اور اس حدیث کی رو سے بدلالت التزامی یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس کا ظہور حجاز سے مشرق ہی میں ہونا چاہیئے۔لیکن اگر مسیح موعود کا مقام نزول دمشق لیا جائے تو وہ حجاز سے مشرق کی طرف نہیں۔بلکہ شمال میں واقع ہے۔حالانکہ مذکورہ بالا دونو حدیثوں کی رو سے اس کا ظہور ایسے مقام سے ہونا چاہیئے۔جوحجاز سے بھی مشرق میں ہو۔اور دمشق سے بھی مشرق میں اور وہ مقام پنجاب ہے۔جہاں سے مسیح موعود اور مہدی کا ظہور ہؤا۔نیز مسیح موعود یا امام مہدی کے آنے کی غرض اسلام کو دوسرے ادیان پر دلائل و براہین کی رو سے غالب ثابت کرنا ہے۔اور یہ غرض حاصل نہیں ہوسکتی جب تک کہ اس کا ظہور ایسے مقام سے نہ ہو جس میں مندرجہ ذیل تین باتیں پائی جائیں۔ اوّل وہاں مسلمان بکثرت ہوں۔دوم تمام ادیان اس ملک میں پائے جاتے ہوں۔سوم مذہبی آزادی حاصل ہو۔اور یہ تینوں باتیں جیسا کہ ہندوستان میں پائی جاتی تھیں۔اور کسی جگہ نہیں۔اس لئے مسیح موعود اور مہدی کے ظہور کی جگہ سوائے ہندوستان کے اور کوئی نہیں ہوسکتی۔پس اگر اس قصیدہ میں ہندوستان کا ذکر مقصود نہ ہوتا۔تو یہ کشف ہی باطل ہوجاتا۔لہذا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اشعار کی تشریح میں ہندوستان کا ذکر کرنا بالکل صحیح اور درست ہے؛

(۸)

ا ۔ ح ۔ میم ۔ دال مے خوانم
نام آں نامدار مے بینم!

یہ شعر تمام قصیدہ کی جان اور اس بحث کا نقطۂ مرکزی ہے۔اس کو اگر بیت القصیدہ کہا جائے تو بالکل درست ہے۔اس پر ''احسان'' نے یہ اعتراض کیا ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے اسمیں تحریف کر کے میم کو الف سے بدل دیا۔اس کی تائید میں پروفیسر براؤن کا نسخہ پیش کیا گیا ہے۔جو اس کے نزدیک وحی آسمانی کا حکم رکھتا ہے۔دوسرا اعتراض ''احسان'' نے یہ کیا ہے۔کہ الف و تد مجموع ہے۔قواعد عروض کے رو سے یہاں وتد مفروق چاہیئے۔اور اگر الف کو جو متحرک الاوسط ہے۔ساکن الاوسط کر کے پڑھا جائے تو یہ جائز نہیں۔

اِن تمام امور کا جواب میں نے ''الفضل'' مورخہ ۱۴ جون میں مفصل دیا تھا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ قصیدہ من وعن حضرت مولانا اسمٰعیل صاحب شہید دہلوی کی کتاب اربعین سے نقل کیا ہے۔ اور اربعین میں یہ شعر اسی طرح لکھا ہوا ہے۔ لہٰذا تحریف کا الزام اگر عائد ہوسکتا ہے۔ تو صاحب اربعین پر نہ کہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ پر۔ اور اگر صاحب اربعین کے متعلق یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے تحریف کی۔ تو مسٹر براؤن کے متعلق بھی یہ خیال کیا جاسکتا ہے۔ اور اب تو یہ احتمال اور بھی......قوی ہوگیا ہے۔ کیونکہ مسٹر براؤن نے جس درویش سے یہ نقل حاصل کی ہے اس کی غیر معروف شخصیت اس کی عدم ثقاہت پر صاف دال ہے۔ اس لئے بالکل ممکن ہے۔ کہ اس نے اپنے عقیدہ کے مطابق بجائے احمدؐ کے محمدؐ کر دیا ہو۔ باقی مجمع الفصحاً کا حوالہ تو اس کا بوجہ شیعہ ہونے کے عقیدہ ہی یہ ہے۔ کہ امام مہدی کا نام محمدؐ ہے اور وہ ایک ہزار سال سے کسی غار میں روپوش ہے۔ پس اس کے متعلق تو گمان غالب ہے کہ اس نے تحریف کر دی ہو۔ ان دونوں کے مقابلہ میں صاحب اربعین کی مشہور ومعروف شخصیت ان کا تقویٰ۔ دیانت اور طہارت اس امر کی قوی دلیل ہے۔ کہ اس قصیدہ میں ان کی طرف سے کوئی تحریف نہیں کی گئی۔

مَیں نے لفظ ''احمدؐ'' کی تائید میں ایک حدیث بھی پیش کی تھی۔ جس میں امام مہدی کا نام احمدؐ آیا ہے۔ جس کا ''احسان'' نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اور اس کے متعلق ساکت وصامت رہ کر اپنی بیچارگی کا ثبوت پیش کر دیا ہے۔ اس کے بعد میں نے متحرک کو ساکن اور ساکن کو متحرک کر دینے کی مثالیں مسلم الثبوت اساتذہ کے کلام سے پیش کی تھیں۔ اور بتایا تھا۔ کہ اس قسم کے تصرفات شعری سے فردوسی نظامی گنجوی سعدی اور حافظ شیرازی کا کلام بھی خالی نہیں[1]۔ تو شاہ نعمت اللہ صاحب جو شاعری میں ان کے پائے کے نہیں۔ ان کے کلام کو اس قسم کے تصرفات سے مبرّا سمجھنا ایک خیالِ خام ہے۔ اس کے جواب میں ''احسان'' کے

حاشیہ: [1] اور وہ مثالیں یہ تھیں (۱) فردوسی جیسے شہرۂ آفاق عظیم الشان شاعر اور مسلم الثبوت استاد نے لفظ ''بدخشاں'' کی متحرک دال ساکن باندھی ہے چنانچہ کہتا ہے ؎ دِگر از درِ بلخ تا بدَخشاں ہیں است زیں پادشاہی نشاں (شاہنامہ جلد ۲۔ ۱۳[1]) (۲) اسی طرح آمُدَش کی دال بھی جو متحرک ہو ساکن باندھی ہے ؎ بغر مود تا بہمن آمُدَش پیش سخن گفت باروز اندازہ پیش (۳) اسی طرح لفظ پدرم کی رائے مہملہ بھی اس

مدیر مطائبات حسرت صاحب نے اپنی بدحواسی کا جو مظاہرہ کیا ہے۔ وہ اس بات پر شاہد ہے کہ ان کا دماغی توازن اپنے اعتدال پر قائم نہیں رہا۔

مدیر ''احسان'' کی پہلی جہالت

میں شروع میں لکھ چکا ہوں۔ کہ اپنے زہد خشک اور ظاہری علم پر ناز کرنے والے سفیرانِ الٰہی کو ہمیشہ جاہل کہتے رہے ہیں۔ لیکن مسلوب البصیرت ہونے کی وجہ سے وہ خود جہالت کا پیکر مجسّم ہوتے ہیں۔ چونکہ تصرفات شاعری میں سے اسکان اور تحریک بھی ہیں۔ اور میں نے متحرک کو ساکن اور ساکن کو متحرک کر دینے کے متعلق ایک کتاب عطرالقواعد کا حوالہ دیا تھا۔ اس پر حسرت صاحب بہت جز بز ہوئے ہیں۔ چنانچہ اپنی ''مطائبانہ'' شان میں لکھتے ہیں:۔

''معلوم نہیں عطرالقواعد کیا ہے۔ کس نے لکھی اور کب لکھی ؟ اور اس کی عبارت جسمیں متحرک الفاظ کو ساکن باندھنے کے متعلق ایسا عجیب وغریب فتویٰ صادر کر دیا گیا ہے۔ کیوں نقل نہیں کی گئی''۔

''پھر وہ نہایت جانفشانی اور محنت سے عطرالقواعد جیسی مستند اور معتبر کتاب کا ایک کرم خوردہ نسخہ تلاش کر لایا''۔

''حروف کی حرکت وسکون کے متعلق عطرالقواعد جیسی مستند اور معتبر کتاب کے حوالے یہ عجیب وغریب قاعدہ پیش کر دیتے ہیں''۔

غرض حسرت صاحب نے اس پر خوب پھبتیاں اڑائی ہیں۔ لیکن ان کو معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ ان کی بازاری تحریروں کی نوک پیکان میں ہرگز یہ قوت نہیں۔ کہ حقائق کا جگر چھید

نے ساکن ہی باندھی ہے پدَرُم آں دلیر گرا نمایہ بود۔ زتنگ اندراں انجمن خاک خورد۔ (۴) حضرت نظامی گنجوی جن کے پایہ شاعری کا ترفع نہایت شہرت کیوجہ سے محتاج بیان نہیں فرماتے ہیں کشت جہاں از نفسش تنگ تر۔ واز سپرش مَعْصَفِری رنگ تر۔ اس شعر میں لفظ مُعَصْفَر کا عین جو متحرک تھا ساکن باندھا گیا ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ لفظ اُرنی کی رائے مہملہ آپ نے ساکن ہی باندہی ہے موسیٰ ازاں جام نہی دید دست۔ شیشہ بکہ پایہ اُرنی شکست۔ منہ

سکیں۔ جہالت کی انتہاء یہی ہے۔کہ انسان اپنے متعلق یہ خیال کر بیٹھے کہ وہ علم کے تمام زینے طے کر چکا ہے۔اور اب کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہیں۔حالانکہ عطر القواعد کا مصنف کوئی غیر معروف شخص نہیں ہے۔جیسا کہ کتاب کی مندرجہ ذیل عبارت سے مترشح ہوتا ہے۔ادیب اریب حفطین لبیب اِفصح الفصحاء ابلغ البلغاء...... جناب مولوی ابولظفر محمدؐ سید یدالدین المتخلص بہ قریشیؔ''۔ اور صاحب موصوف سینٹ جانسن کالج آگرہ میں اردو عربی۔فارسی کے پروفیسر تھے۔اور کئی کتابوں کے مصنف جن میں سے عطر القواعد جوہر القواعد اور تعلیم فارسی مشہور ہیں۔فارسی زبان اور اس کے قواعد میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔اسی عطر القواعد کے ۱۰۲ پر لکھا ہوًا ہے۔کہ ضرورت شعری کی آٹھ قسمیں ہیں۔اِسکان تحریک تخفیف وتشدید قصر و مد قطع و وصل اور لکھا ہے۔کہ اسکان متحرک الفاظ کے ساکن کرنے کو کہتے ہیں۔جیسے ع گفت موسےٰ رب اَرُنی از خدا

اور تحریک ساکن حرف کے متحرک کر دینے کو کہتے ہیں۔جیسے ع

پدرَم آں دلیر گرانمایہ بود

اہل عرب کے تصرفات شعری

یہ تو عجمیوں کی ضرورتِ شعری کی کیفیت تھی مگر اہل عرب نے جن سے اہلِ فارس وغیرہ نے علم عروض سیکھا۔ ان سے بھی بڑھ کر ضرورت شعری کی دس قسمیں قرار دی ہیں۔چنانچہ محمد بن قیس نے رسالہ معجم فی الشعار العجم میں سیبویہ سے نقل کیا ہے۔کہ شعرائے عرب نے مواقع ضرورت اور مواضع اضطرار میں بضرورت شعر دس قسم کا تصرف جائز رکھا ہے۔ جسے علامہ جاراللہ مخشری نے یوں نظم کیا ہے۔

ضرورۃ الشعر عشر عدّ جملتھا

وصل وقطع وتخفیف و تشدید

مَدّ و قصرواسکان و تحریک

ومنع صرف و صرف ثم تعدید

ان دس تصرفات میں سے دو تصرف اسکان اور تحریک ہیں۔کہ بوقت ضرورت

ساکن کو متحرک اور متحرک کو ساکن کر لینا جائز ہے۔اس پر حسرت صاحب کا کہنا کہ

''جب چاہیں۔جس لفظ کو چاہیں۔متحرک کو ساکن اور ساکن کو متحرک کر لیں قلّتِ تدّبر کا نتیجہ ہے''۔

بے شک اگر ہمارا یہی مطلب ہو۔جو آپ نے سمجھا ہے۔تو قلتِ تدبر کا نتیجہ ہے مگر ہم تو یہ کہتے ہیں۔کہ ضرورت شعری کے معنے ہی یہ ہیں۔کہ شاعر کو کوئی ایسا موزوں لفظ نہ ملا جسے بغیر تصرف وہ شعر میں کھپا سکتا۔اس لئے اگر ضرورت کے موقعہ پر وہ اسکان یا تحریک سے کام لے لے۔تو اس کے لئے جائز ہوگا۔لہذا ''جب چاہیں۔اور جس لفظ کو چاہیں متحرک کو ساکن اور ساکن متحرک کر لیں'' صحیح نہیں۔کیونکہ اس میں ضرورت شرط ہے۔اگر ضرورت پائی جائے اور باوجود تلاش کے کوئی موزوں اور مترادف لفظ نہ ملے۔اور اسکان یا تحریک سے کام بن جائے۔تو ساکن کو متحرک اور متحرک کو ساکن کر لینا جائز ہے۔اور جن تصرفات کو اوپر گنایا گیا ہے۔ان سے مراد یہ ہے۔کہ چونکہ یہ تمام باتیں مسلم الثبوت اساتذہ فن کے کلام میں پائی گئی ہیں۔اس لئے اگر کسی کے کلام میں ایسا تصرف پایا جائے تو جائز ہوگا۔اور ان امور کی وجہ سے شعر کو غلط قرار نہیں دیا جائے گا۔

احسان کی جہالت کا شاہکار

میں نے مثالیں دیتے ہوئے شیخ سعدی اور حافظ شیرازی کو ایک دور میں شمار کیا تھا۔جس پر حسرت صاحب بہت بگڑے ہیں۔چنانچہ اپنی تاریخ دانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

''خواجہ حافظ کے معاملہ میں بھی ان سے اس قسم کی غلطی ہوئی ہے۔ارشاد ہوتا ہے ''حضرت حافظ شیرازی نے جو اسی دَور کے بزرگ ہیں۔اس دور سے میاں شمس کا مقصود شیخ سعدی کا دَور ہے۔گویا شمس صاحب شیخ سعدی اور خواجہ حافظ کو ہمعصر سمجھتے ہیں۔یہ غلطی اگرچہ بے حد افسوس ناک ہے لیکن ہم انہیں اس باب میں معذور سمجھتے ہیں۔کیونکہ ادنے طبقہ کے لوگوں میں ....حافظ اور سعدی کی معاصرانہ نونک جھونک کے متعلق بہت ہی عجیب وغریب روائتیں مشہور ہیں۔اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ شیخ سعدی خواجہ حافظ کے چچا یا ماموں

تھے۔معلوم ہوتا ہے۔کہ شمس صاحب بھی اسی قسم کی کوئی روائت سنکر غلط فہمی کا شکار ہوگئے''۔

پھر لکھتے ہیں۔''لیکن اس کا سرمایۂ علم کیا ہے۔چند بازاری گپیں۔جن کا ماحصل یہ ہے کہ حافظ اور سعدی ہم عہد تھے۔یا عطرالقواعد جیسی عجیب وغریب کتاب بہرحال جو شخص شاہ نعمت اللہ کرمانی کو سعدی اور حافظ سے متقدم سمجھتا ہے۔اور حافظ کو سعدی کا ہمعصر سمجھتا ہے۔عروض کے قواعد کے ایک مشہور قاعدہ سے اس کی بے خبری چنداں حیرت انگیز نہیں''۔

غرضیکہ حسرت صاحب نے میرے اس فقرہ پر کہ حافظ شیرازی بھی اسی دور کے بزرگ ہیں۔جس دور کے شیخ سعدی تھے''۔بہت ناک بھوں چڑھائی ہے۔اور اپنی تاریخدانی پر بے حد اترائے ہیں۔مگر اَنَا ولا غیری کا ڈھول پیٹنے والے حسرت صاحب کو کان کھولکر سُن لینا چاہیئے۔کہ حافظ شیرازی کا اسی دور کا شاعر ہونا جس دور کے شیخ سعدی تھے۔ان کے ہم عصر ہونے کو متلزم نہیں۔کسی نے سچ کہا ہے ؎

حُبابِ بحر کو دیکھو کہ کیسے سر اُٹھاتا ہے
تکبرّ وہ بُری شے ہے۔کہ فورًا ٹوٹ جاتا ہے۔

میں نے ''ہمعصر کا لفظ نہیں لکھا تھا۔''دور'' کا لفظ استعمال کیا تھا۔اور ہم عصر اور دور میں بہت فرق ہے۔ہم عصر نہ ہونے کے باوجود دو شاعروں کا ایک دور میں سے ہونا بالکل ممکن اور صحیح ہے۔حسرت صاحب کو معلوم ہونا چاہیئے۔کہ شعراء کے دور اور طبقات مقرر کئے گئے ہیں۔حافظ شیرازی اور شیخ سعدی کا باوجود سو سال کے فرق کے ایک دور کا شاعر ہونا صحیح ہے۔چنانچہ پروفیسر آزاد نے اپنی کتاب سخندانِ فارس میں شعراء فارس کے چار طبقات بیان کئے ہیں۔اور تیسرے طبقے میں انہوں نے سعدی اور حافظ شیرازی کو شمار کیا ہے۔چنانچہ شیخ سعدی کے متعلق لکھتے ہیں۔''شیخ سعدی اس طبقہ کے شیرین کلام شاعر ہیں۔آج تک پھیکے نہیں ہوئے ۶۹۱ھ میں فوت ہوئے''۔اور خواجہ حافظ کے متعلق لکھتے ہیں۔کہ ان کو ''غزل میں کمال حاصل تھا۔غزل ایسی لکھ گئے۔کہ آج تک سب آنکھوں پر رکھتے ہیں ۷۹۱ھ میں انتقال فرمایا''۔پروفیسر آزاد نے ۹۰۰ھ کے بعد کے شعراء کو طبقہ چہارم میں شمار کیا ہے اِس لحاظ سے نعمت اللہ کرمانی بھی طبقہ سوم میں سے ہوئے۔

’’احسان‘‘ کی دوسری جہالت

میں نے لکھا تھا۔کہ شاہ نعت اللہ صاحب کا ولائیت کے لحاظ سے کتنا ہی بلند مرتبہ کیوں نہ ہو۔لیکن شاعری کے لحاظ سے ان کا وہ پایہ نہیں جو شیخ سعدی ۔نظامی اور حافظ شیرازی وغیرہ کا ہے۔نیز ان کا کلام بھی واعظانہ وناصحانہ رنگ کا ہے۔میری یہ بات حسرت صاحب کو بہت ناگوار گذری ہے۔چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔’’شاہ نعمت اللہ کو ناصح کون کہتا ہے انہیں تو زیادہ تر ان کی شاعرانہ حیثیت سے جانتے ہیں‘‘۔شاہ نعمت اللہ کرمانی کا عہد تو زبان کی شگفتگی کیلئے بے حد مشہور ہے۔اور وہ اور ان کے ہم عہد شعراء زبان اور محاورہ کے اصولوں کی پابندی نہایت سختی سے کرتے ہیں‘‘۔

جس زمانہ میں شاہ نعت اللہ نے شعر کہنا شروع کیا۔فارسی زبان بہت ترقی کر چکی تھی ۔اور عروض کے قواعد پر نہایت سختی سے عمل کیا جاتا تھا۔جو لوگ فارسی زبان کی تاریخ سے واقف ہیں۔وہ اچھی طرح جانتے ہیں۔کہ متقدمیں کے ہاں جو تصرفات پائے جاتے ہیں۔وہ متوسطین کے کلام میں کہیں نظر نہیں آتے اور متاخرین تو زبان ومحاورہ کا خاص خیال رکھتے ہیں۔اور صرف ونحو کے اصولوں سے سر مو تجاوز کرنا گناہ سمجھتے ہیں‘‘۔

اگرچہ مجھے اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔کہ شاہ نعمت اللہ کرمانی کا شاعری میں کیا درجہ تھا۔کیونکہ زیر بحث قصیدہ بقول صاحبِ اربعین ان نعمت اللہ ولی کا ہے جو ہندوستانی تھے۔لیکن چونکہ فریق ثانی اسے شاہ نعمت اللہ کرمانی کا بتاتا ہے۔اس لئے اس کے مسلمات کی بناء پر یہ ضرورت لاحق ہوئی کہ میں یہ ثابت کروں کہ شاہ نعمت اللہ کرمانی کا اپنی شاعرانہ حیثیت سے اتنا بلند پایہ نہیں۔جتنا حسرت صاحب نے بیان کیا ہے۔اس باب میں سب سے پہلے میں پروفیسر براؤن کی رائے لکھتا ہوں۔جو حسرت صاحب کے نزدیک سب کسے زیادہ دقیع اور قابل اعتبار ہے۔چنانچہ چودہری محمد حسین صاحب ایم۔اے بحوالہ پروفیسر براؤن لکھتے ہیں:۔

’’شاہ صاحب بحیثیت شاعر اتنے مشہور نہیں۔جتنے بحیثیت ولی اور صوفی۔شعر میں آپ کا انداز مغربی کا سا ہے۔(اس مقام پر پروفیسر موصوف نے آپ کے کلام پر کچھ تنقید

لکھی ہے۔جس کا ذکر ہمارے مقصد سے باہر ہے) ان کے عام اشعار پر رائے زنی کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔کہ ان کا کلام عام طور پر مبہم و پیچیدہ اقوال سے پُر ہے“۔(کاشف مغالطہ قادیانی ۴۳)

افسوس مجھے باوجود کوشش کے پروفیسر براؤن کی کتاب ادبیات ایران نہیں ملی۔کلکتہ اور بعض دیگر مقامات پر اس کے اور مجمع الفصحاء کے لئے لکھا گیا۔مجمع الفصحاء تو مل گئی۔لیکن ادبیات ایران کا وہ حصہ نہ ملا۔جس میں شاہ نعمت اللہ کرمانی وغیرہ کا ذکر ہے۔اور یہی وجہ اس مضمون میں تاخیر کی ہوئی۔اس لئے جو حوالے پروفیسر براؤن کے اس مضمون میں دیئے گئے ہیں۔وہ چودہری محمد حسین ایم۔اے کے رسالہ”کاشفِ مغالطہ قادیانی“ سے لئے گئے ہیں[۱]“۔

شاہ نعمت اللہ صاحب کے متعلق خود حسرت صاحب بھی دولت شاہ سمرقندی کے تذکرہ کے حوالہ سے لکھ چکے ہیں۔کہ وہ صاحبِ سلوک وطریق بزرگ تھے۔اور حقیقت بھی یہی ہے۔شاہ صاحب کی شاعری کے متعلق یہ تو پروفیسر براؤن وغیرہ کی رائے تھی۔اب میں ان کے چند اشعار پیش کرتا ہوں۔جن سے معلوم ہوگا کہ شاعری کے لحاظ سے وہ ہرگز بلند پایہ نہیں رکھتے۔حسرت صاحب ان اشعار کو قواعد عروض وصرف نحو کے لحاظ سے درست ثابت کر کے دکھائیں۔

ظھوری لم یذل ذاتی بذاتی
حجابی لا یذالی من صفاتی
مسمیٰ واحد اسمی کثیر
وفی تلوین اسمائی ثباتی!
وجودی کا لمقدح روحی کراحی
فخذ منی قدح واشرب حیاتی

حاشیہ[۱] (۱) مجھے مذکورہ بالا کتاب حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی لائبریری سے مل گئی۔پس جو”کاشف“ کے حوالہ سے براؤن کیطرف نسبت دیکر لکھا گیا ہے وہی اصل کتاب میں درج ہے۔

وعقلی کالابی نفسی کامی

واب ابنی وامی کا لبناتی

یہ اس قصیدہ کے پہلے چار شعر ہیں۔جو الفصحاء جلد ۲ صفحہ ۴۵ میں ''مے بینم'' کے بعد درج کیا گیا ہے۔اور یہ عربی قصیدہ ان کے مطبوعہ دیوان میں بھی موجود ہے جو طہران ۱۲۷۶ھ میں چھپا۔ پہلے شعر میں لا یذالی نہ معلوم کس زبان کا لفظ ہے اور دوسرے شعر میں اسمی کے ہمزۂ وصل کو قطعی بنا دیا گیا ہے۔تیسرے شعر میں لفظ قدحُ کی حاء کو ساکن باندھا ہے۔اور اسیطرح اس کے دوسرے مصرعہ میں بھی بجائے قدَحًا کے قدَحْ باندھا ہے اور چوتھے شعر میں تو کمال کیا ہے کہ مضاف پر الف لام لاکر کاَبیِ کو کالاُبیِ بنا دیا ہے۔اوراس کے دوسرے مصرعہ میں اَبِی ابْنِیُ کو اَبّ ابْنی کر دیا ہے۔اس قصیدہ کے باقی اشعار میں بھی بہت سے تصرفات و اَسْقام موجود ہیں۔حسرت صاحب ان کو بلحاظ عروض وقواعد درست ثابت کریں ورنہ تسلیم کر لیں۔کہ شاہ نعمت اللہ شاعرانہ حیثیت سے مشہور نہیں۔جن کے چار اشعار میں اتنے اسقام پائے جاتے ہیں۔ان کے متعلق حسرت صاحب کا یہ کہنا کہ ''ان کا کلام تصرفات سے بالکل مبّرا ہے۔اور وہ الف کو ساکن الاوسط اور شمس کو متحرک الاوسط اشعار میں نہیں لاسکتا''۔سراسر زیادتی ہے۔

تیسری جہالت

احسان کے مدیر مطائبات حسرت صاحب کے متعلق میرا خیال ہے کہ ان کا دماغی توازن ٹھیک نہیں۔اس کا ثبوت یہ ہے کہ بحث تو تصرفات شاعری (اِسکان وتحریک) پر ہے۔مگر حسرت صاحب نے الفاظ کے ترک واستعمال کی بحث شروع کر دی ہے۔چنانچہ لکھتے ہیں:۔

''ولی دکنی کے زمانہ میں جو الفاظ ومحاورات استعمال کئے جاتے تھے وہ خان آرزو۔مظہر جان جاناں۔شاہ حاتم وغیرہ کے ہاں نہیں ملتے۔مصحفی اورانشاء وغیرہ کے عہد میں زبان زیادہ منجھ گئی۔اور نئے نئے الفاظ وضع ہوئے۔اور اکثر پُرانے الفاظ ومحاورات ترک کر دیئے گئے۔ذوق۔مومن۔آتش۔غالب وغیرہ کے زمانے میں اورترقی ہوئی۔اور

داغ امیر وغیرہ کے عہد میں زبان پورے شباب پر پہنچ گئی۔ اور بہت سے الفاظ ترک کر دیئے گئے۔ متقدمین کو تو چھوڑیئے۔ متاخرین میں ذوق جیسا شاعر کہتا ہے ؎

مزے جو موت کے عاشق بیاں کبھو کرتے
مسیح و خضر بھی مرنے کی آرزو کرتے

آج کوئی کبھو نہیں کہتا .... یہ صحیح ہے۔ کہ قدماء کے بعض تصرفات متاخرین نے بھی جائز قرار دیئے ہیں۔ مثلاً کافر کی فاءِ معجمہ کو جو دراصل بالکسر ہے۔ متاخرین نے مفتوح باندھا ہے۔ اور اردو میں بھی یونہی مستعمل ہے‘‘۔ حسرت صاحب کی اس عبارت کو پڑھ کر ہر شخص ہماری تائید کرے گا۔ کہ لکھنے والے کا توازنِ دماغی درست نہیں۔ کیا کوئی بتا سکتا ہے۔ کہ ذوق کے اس شعر میں تصرفات شعری میں سے کونسا تصرف پایا جاتا ہے جو بعد میں آنے والے شعراء نے ترک کر دیا۔ اور کبھی کی بجائے کبھو لانے سے وزن میں کونسا فرق پڑ گیا؟ حسرت صاحب سے کون کہے۔ کہ کسی زبان کے بعض الفاظ کو متقدمین کا استعمال کرنا اور متاخرین کا چھوڑ دینا تصرفات شاعری میں سے نہیں۔ الفاظ کے ترک و اختیار کو اسکان و تحریک پر قیاس کرنا حسرت صاحب کی تیسری جہالت ہے۔

چوتھی جہالت

میرے مضمون مورخہ ۱۴ جون ۳۵ء میں ایک جگہ ’’الف‘‘ کاتب کی غلطی سے لکھا گیا ہے۔ حسرت صاحب بغیر سوچے سمجھے اسے لے اُڑے۔ حالانکہ سیاق وسباق سے معلوم کر سکتے تھے۔ کہ یہاں الف نہیں ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔ ’’ہم سے پوچھا جا رہا ہے۔ ثابت کیجئے کہ متحرک الف کو ساکن باندھنے کا قاعدہ تمام الفاظ پر حاوی نہیں۔ حالانکہ بارِ ثبوت آپ کے ذمہ ہے‘‘ حقیقت یہ ہے۔ کہ میرا سوال یہ نہ تھا۔ بلکہ یہ تھا۔ کہ جب تک مدیر احسان کسی معتبر کتاب قواعد سے یہ نہ دکھا دے کہ متحرک (یہاں الف غلطی سے لکھا گیا ہے) کو ساکن باندھنے کا قاعدہ تمام الفاظ پر حاوی نہیں۔ صرف چند الفاظ تک محدود ہے۔ اور الف ان میں سے نہیں۔ یا تمام الفاظ کیلئے تو یہ قاعدہ ہے۔ کہ وہ تحریک ثانی ہونے کی حالت میں بہ سکون ثانی باندھے جا سکتے ہیں۔ مگر الف اس قاعدہ سے باہر ہے۔ از روئے

عقل و انصاف اس کے لئے لب کشائی کی ذرا بھی گنجائش نہیں۔لیکن کتب قواعد میں سے وہ ہرگز یہ نہیں دکھا سکتا۔ کہ متحرک الفاظ کو ساکن باندھنے کا جو تصرف شعرائے فارس نے کیا ہے۔اس سے الف خارج ہے''۔

حسرت صاحب نے اس معقول مطالبہ کا کوئی جواب نہیں دیا۔ بلکہ اُلٹا یہ سوال کر دیا ہے۔ یہ دکھاؤ کہ الف کو کسی نے ساکن الاوسط باندھا ہو۔حالانکہ یہ بچوں والی ضد ہے۔کیونکہ جب متحرک الاوسط کو ساکن باندھنے کے قاعدہ میں کس لفظ کو مُستثنٰے نہیں کیا گیا۔تو الف بھی عام قاعدہ کے ماتحت آ گیا۔

علاوہ ازیں الف عربی لفظ ہے۔جو کَتِفٌ کے وزن پر ہے۔اور کَتِفٌ کے متعلق فصول اکبری اوراس کی شرح میں یہ قاعدہ درج ہے۔

کَتِفٌ اذالم یکن ثانیه حرف حلق یجوزفیه کَتِفٌ بحذفِ کسرة العین''۔ (شرح فصول اکبری ۵۹ مطبوعہ اشرف المطابع دہلی)

یعنی ہر اسم یا صفت کا جو کَتِفٌ (فَعِلٌ) کے وزن پر ہو بہ سکون ثانی پڑھنا جائز ہے۔جیسے کَتِفٌ کو کَتْفٌ۔اسی طرح اَلِفٌ کو اَلْفٌ پڑھنا جائز ہوگا۔اور اگر حسرت صاحب اس کی مثال چاہیں۔تو وہ بھی ہم پیش کئے دیتے ہیں۔منشی سیوارام شاہجہان پوری جو ایک مشہور شاعر ہیں۔انہوں نے اپنی کتاب قصیدہ جوہر الترکیب میں جو تین چار سو شعروں پر مشتمل ہے۔اس میں انہوں نے عربی۔فارسی قواعد صرف ونحو نظم کئے ہیں۔الف کو ساکن الاوسط باندھا ہے۔چنانچہ لکھتے ہیں ؎

اَلْف کثرت چوں بسا مصدرد آزا اتصال
مثل دوشادوش عطف آمد شباروزاے ہمام

شعرائے ماضی کے کلام سے استشہاد!

مَیں نے گذشتہ مضمون میں اسکان وتحریک اور دیگر تصرفات کے اثبات کے لئے فردوسی۔نظامی گنجوی۔شیخ سعدی اور حافظ شیرازی کے کلام سے مثالیں پیش کی تھیں۔اِن شعراء کا دنیائے شاعری میں جو مرتبہ ہے وہ محتاج بیان نہیں۔چنانچہ کہا گیا ہے ؎

در شعر سہ تن پیمبرا نند
ہر چند کہ لا نبی بعدی
ابیات و قصیدہ و غزل را
فردوسی و انوری و سعدی

گفتہ نظامی را چرا گذاشتی گفت او خدائے سخن است۔ ایسے بلند پایہ شعراء کے کلام سے جب اسکان وتحریک کے جواز میں سند پیش کی گئی۔تو حسرت صاحب بغلیں جھانکنے لگے۔اور جھٹ کہہ دیا۔کہ یہ شعراء اس باب میں مستند نہیں''۔

چنانچہ لکھتے ہیں:۔

''فارسی شاعری کے باب میں فردوسی اور نظامی کے کلام سے استناد نہیں کیا جاسکتا''۔حالانکہ متاخرین شعراء میں سے کوئی ایسا نہیں جس کے کلام پر اعتراضات کئے گئے ہیں۔اور اس نے جواب میں اپنے شعر کی صحت ثابت کرنے کے لئے ان کا کلام بطور سند پیش نہ کیا ہو۔ابھی پچھلے دنوں سر اقبال کے بعض اشعار پر جب سیماب اکبر آبادی نے تنقید کرتے ہوئے لکھا کہ اقبال کا یہ شعر؂

یوں داد سخن مجھ کو دیتے ہیں عراق و پارس
یہ کافر ہندی ہے بے تیغ وسنان خونریز

پہلا مصرعہ قیدِ بحر و وزن سے خارج ہے۔اور کچھ ایسا مبہم و مہمل ہے کہ باوجود اسے کوشش کے صحیح نہیں کیا جاسکتا۔یعنی عراق و پارس کسی طرح بھی اس مصرعہ میں نظم نہیں کئے جاسکتے۔تو حسرت صاحب نے اس کا جواب دیتے ہوئے لکھا یہ مصرعہ بالکل صحیح ہے۔آپ پارْسْ کو پاَرَسْ پڑھتے ہیں۔حالانکہ دوست کیطرح اس میں رائے مہملہ اور سین مہملہ دونوں ساکن ہیں صاحب غیاث اللغات اسی ضمن میں لکھتا ہے۔کہ ''رائے مہملہ خارج از وزن شعر افتد'' حافظ نے بھی تو لکھا ہے؂

عراق و فارس گرفتی زشعر خود حافظ
بیا کہ نوبت شیراز و وقت تبریز است

(احسان ۱۵ جون ۳۵ء) کیا حسرت صاحب کو سیماب اکبر آبادی کے اعتراض کا

جواب دیتے ہوئے اپنا اصول یاد نہیں رہا۔ کہ حافظ کے کلام سے سند پکڑنا درست نہیں۔ جو آج سے تقریباً پانچسو سال پہلے ہوئے ہیں۔ اور اس وقت جو تصرفات شعر میں کئے جاتے تھے۔ آج ان میں سے کوئی نہیں کرتا۔ کیونکہ اس زمانہ میں قواعد صرف ونحو کی پابندی ضروری ہے۔ اور اب شعروں میں اسکان وتحریک اور حذف وغیرہ کا تصرف جائز نہیں۔ حالانکہ یہی حافظ شیرازی ہیں۔ جنہوں نے پارسی اور پارسا کی راء کو متحرک باندھا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں ؎

خوبانِ پارسی گو بخشندگان عمراند
ساقی بشارتے وہ پیران پارسارا

تقطیع کرتے وقت پارسی اور پارسا کی راء متحرک ہوگی۔ پس خواجہ حافظ نے اسی شعر میں ساکن کو متحرک باندھا ہے۔ اور شاہ نعمت اللہ کرمانی بھی انہی کے ہمعصر ہیں۔ چنانچہ مجمع الفصحاء جلد ۲ ۱۱ میں لکھا ہے۔

''وبا جماعتے از فضلاء مشائخ آنعہد معاصر بودہ۔ مانند شاہ نورالدین نعمت اللہ ولی الماہانی''۔ پس نعمت اللہ ولی کا پایہ شاعری میں کہاں اتنا بلند ہے۔ کہ انکا کلام تصرفات شعری سے مبّرا ہو۔ پس اگر سر اقبال کے تصرف کو جائز ثابت کرنے کے لئے حافظ شیرازی کو پیش کیا جاسکتا ہے۔ تو نعمت اللہ ولی کرمانی کے تصرفات شعری کو جائز ثابت کرنے کے کئے شیخ سعدی۔ نظامی فردوسی وغیرہ کی مثالیں کیوں پیش نہیں کی جاسکتیں۔

اسکان وتحریک کی مثالیں

اب چند اور مثالیں اسکان وتحریک کی پیش کی جاتی ہیں۔ جن سے واضح ہوگا۔ کہ الف کو بسکون ثانی باندھنا اتنا قابل اعتراض نہیں۔ جتنا ظاہر کیا جاتا ہے۔ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

عَفُوْ کردم از وَے عملہائے زشت
بفضلِ خودش آورم در بہشت!

ناصر خسرو کا شعر ہے

اگر سہوے بودروئے عفوکن
وریدہ پردۂ کارم رفوکن

ان دونوں باکمال شاعروں نے عفو کو جو ساکن الاوسط ہے۔ متحرک الاوسط باندھا ہے۔ کمال اسماعیل کہتے ہیں

دمے کہ عقرب کلھش یہ جنبش آرونیش
شودِ حسود بہ سوراخ مار متواری!

منوچہری کہتا ہے

بودآں تیغ وے ہنگام پیَجا
چناں دیبائے بوقَلموں ملّون

پہلے شعر میں مُتَواری کی تائے متحرک کو ساکن اور دوسرے شعر میں بوقلموں کے لام متحرک کو ساکن باندھا گیا ہے۔

طالب آملی کا شعر ہے

چوں شدش کارکفن ودفن بساز
خلق گشتند ازمزارش باز!

اس میں کَفَن متحرک الاوسط کو بسکونِ فاء استعمال کیا گیا ہے۔

مولانا جامی فرماتے ہیں:۔

میدہد خاک رہش خاصیتِ آں آبم
کہ نصیب خفراز چشمۂ حیواں بوداست

اس شعر میں خاصیت کی یائے مشدد کو مخفف اور حیوان کی یائے متحرک کو ساکن باندھا ہے

میر افضل کہتا ہے

ناخن تدبیررا خفقان دل تنگی شکست

عقیدۂ مے دانشد چوں غنچہ از اظہار طیب

اس میں خفقان کی فاء متحرک کو ساکن باندھا گیا ہے۔

شیخ سعدی فرماتے ہیں؂

تظلّم برآورد وفریاد خواند

کہ رحمت بیفتاد وشفقت نماند

اس میں شفقت کو ساکن باندھا گیا ہے۔

خواجہ حافظ شیرازی کا شعر ہے؂

زانجا کہ فیض جامِ سعادت فروغ تست

بیرون شدن نمائے زظلمات حیرتم

اس شعر میں ظلمات کی لام متحرک کو ساکن باندھا گیا ہے۔

یہ تو شعراء فارس کے کلام سے نمونہ کے طور پر چند مثالیں پیش کی گئی ہیں اس کے علاوہ شعراء عرب کے کلام میں بکثرت اسکان وتحریک کی مثالیں پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ جریر کہتا ہے؂

فریشی منکم وھوای معکم

وان کانت زیادتکم اماما

اس شعر میں مَعَکم کا عین متحرک ساکن باندھا گیا ہے۔اور اسکے متعلق شواہد بن عقیل میں امام نحو سِیبُویہ کا یہ قول درج ہے۔ جعل تسکین العین ضرورۃً کہ ضرورتِ شعری کی وجہ سے عین کو ساکن باندھا گیا ہے۔اور احمدؒ ہاشمی نے اپنی کتاب جواہر البلاغۃ میں جوازاتِ شعریہ کی بحث میں لکھا ہے ویجوز للشاعر .... تحریک الساکن کقولہ وقد حرّک الھاء الساکنۃ فی الذھر؂

تبقی صنائعھم فی الارض بعد ھم والعیث ان سار ابقیٰ بعدہ الذھرا

یعنے شاعر کیلئے ساکن متحرک کر دینا جائز ہے۔جیسا کہ کسی شاعر نے اس شعر میں زہر کی ہاء ساکنہ کو متحرک باندھا ہے۔

امرءالقیس کہتا ہے۔

فالیوم اشرب غیر مستحقب　　　اثمامن اللّٰہ ولا واغل

اس شعر میں اشرب کی باء متحرک کو ساکن باندھا گیا ہے(شرح معلقات علامہ فیضی)اسی طرح دوسرے تصرفات بھی شعراء فارس کے کلام میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ واعظ قزدینی کہتا ہے۔

فرقت میں اپنی دل لگیاں ہیں نئی نئی
رونا بھی اک ہنسی ہے تڑپنا بھی کھیل ہے

اس شعر میں ''دِل لگیاں'' کے گاف ساکن کو متحرک باندھا ہے۔

نظیر اکبر آبادی کے اشعار میں اسکان وتحریک کی متعدد مثالیں پائی جاتی ہیں۔نمونہ کے طور پر ملاحظہ ہو۔

(۱) محلات نمودار بناتے ہیں اسی سے اس میں مَحلّات کو مَحَلات باندھا گیا ہے۔

(۲) اپنے نفع کے واسطے مت اور کا نقصان کر۔اس میں نفع کی فاء ساکنہ کا متحرک باندھا گیا ہے۔

(۳) کیا داکھ منقّٰے سونٹھ مرچ کیا کیسر لونگ سپاری ہے۔اس میں مرچ کی رائے ساکن کو متحرک باندھا ہے

(۴) بے ظلم وخطا جس نے مظلوم ذبح کر ڈالا ہے۔اس میں ذبح کی بائے ساکنہ کو متحرک باندھا گیا ہے۔

(۵) کلمہ بھی پڑھتے جاتے ہیں روتے ہیں زار زار اسمیں کلمہ کی لام متحرک کو ساکن باندھا گیا ہے۔

(۶) ٹوٹی حویلیاں ہیں ٹوٹی شہر پناہ اس میں شہر کی ہائے ساکنہ کو متحرک باندھا گیا ہے۔

(۷) نت قضیئے جھگڑے رہتے ہیں۔ یہ میرا ہے یہ تیرا ہے۔اس میں قضیئے کو قَضْیے باندھا ہے۔

اسی طرح اگر دیگر شعراء کے دواوین کا ملاحظہ کیا جائے۔تو حسرت صاحب کے

دعویٰ باطل کی تردید کا سامان کافی مل سکتا ہے۔

حسرت صاحب کو چیلنج

مندرجہ بالا مثالیں نظیر اکبر آبادی کے کلام سے دی گئی ہیں۔ جو قریب العہد شاعر ہیں۔ اور جن کے کلام کے متعلق اہلِ یورپ نے بھی اپنی دلچسپی کا اظہار کیا ہے۔ ان مثالوں سے واضح ہے۔ کہ اسکان وتحریک کا تصرف تقریباً تمام شعراء کرتے چلے آئے ہیں۔ اور حسرت صاحب کا یہ نظریہ بلا دلیل ہے۔ کہ شاہ نعمت اللہ ولی کے زمانہ میں شعراء نے اس امر پر اجماع کرلیا تھا۔ کہ آئندہ اسکان وتحریک کا تصرف کرنا جُرم ہے۔ یہ نظریہ قائم کرنے کی حسرت صاحب کو اس لئے ضرورت پڑی کہ ان کے لئے اور کوئی راہ فرار نہ تھی۔ ورنہ کس ناقد فن کی سند اس بارہ میں نہیں ملتی کہ قاطبۃً اس طریق کو ترک کر دیا گیا تھا۔ حالانکہ ہر زمانہ کے شعراء کے کلام میں اسکان وتحریک کے تصرف کو استعمال کیا گیا ہے۔ اور شاہ نعمت اللہ ولی کے متعلق تو مسٹر براؤن کی پختہ رائے ہے۔ کہ وہ بلحاظ شاعر مشہور نہیں۔ بلکہ بحثیت صوفی مشہور ہیں۔ بہر کیف یہ دونوں امور کہ نعمت اللہ ولی کے زمانے میں ساکن کو متحرک یا متحرک کو ساکن باندھنا قطعاً اور قاطبۃً ترک کر دیا گیا تھا۔ یا یہ کہ شاہ نعمت اللہ بڑے پایہ کے شاعر ہیں۔ غلط اور خلافِ واقعہ ہیں۔ اور میں ان کے ایک قصیدہ کے چند اشعار پیش کر کے بتا چکا ہوں۔ کہ وہ شاعری کے لحاظ سے بلند پایہ نہیں رکھتے تھے۔ میرا مقصد اس سے ان کے کلام پر تعریض کرنا نہیں۔ بلکہ یہ دکھانا ہے۔ کہ ان کا کلام بھی تصرفات شاعری سے خالی نہیں۔ جیسا کہ حسرت صاحب کا خیال ہے۔ اگر حسرت صاحب میں ہمت ہے۔ تو ان پیش کردہ اشعار کو بلحاظ قواعد عروض اور بغیر تصرف اسکان وتحریک کے درست ثابت کریں۔ اگر وہ کہیں کہ نظیر اکبر آبادی استادان فن میں سے نہیں تو اول تو یہ غلط ہے۔ دوسرے میں کہوں گا۔ شاہ نعمت اللہ ولی بھی کونسے استادان فن میں سے تھے۔

حسرت صاحب کی حواس باختگی

ایک جواب میں نے یہ دیا تھا۔ کہ الف کو متحرک اللام ہی پڑھا جائے اور تقطیع سے

حائے حطی کو گرا دیا جائے۔تو اس سے وزن میں کوئی خلل واقعہ نہیں ہوگا۔اور حائے حطی کے گر جانے سے مصرعہ یوں ہوجائے گا۔الفے میم دال میخوانم۔اور اس کی تقطیع **فعلاتن مفاعلن فعلن** ہوگی۔اس سے متحرک کو ساکن کردینے کا جو اعتراض ہے۔وہ پیدا نہیں ہوتا۔ ہاں ضمناً میں نے یہ بھی ذکر کیا تھا۔ کہ ایک دیو بندی نے مصرعہ کی اس صورت پر یہ اعتراض کیا ہے۔کہ حائے حطی کا گرا دینا شعرائے فارس تو کجا۔شعرائے ہند سے بھی ثابت نہیں۔اس اعتراض کا جواب دینے کے لئے میں نے دیو بندیوں کے مسلّمہ فاضل شیخ الہند مولوی محمود الحسن صاحب کے اشعار پیش کئے تھے۔جن میں اس قسم کا تصرف کیا گیا ہے۔اس کے جواب میں حسرت صاحب نے لکھا۔''شمس نے الف حا میم دال مے خوانم کا وزن فعلاتن مفاعلن فعلن قرار دیا ہے۔حائے حطی کو وزن سے خارج کردیا ہے۔اور یہ دلچسپ کھیل کھیلنے کے بعد خود ہی کہدیا ہے۔کہ حائے حطی کو گرانا ناجائز ہے۔معلوم نہیں اس طرح تقطیع کی ضرورت کیا پیش آئی''۔

میرا مضمون مندرجہ الفضل ۱۴ جون ۳۵ء کسی ہوشمند کے سامنے رکھدیا جائے۔اگر وہ کہدے کہ میں نے اپنے مضمون میں حائے حطی کو گرانا جائز لکھا ہے۔تو میں حسرت صاحب کو صحیح الحواس تسلیم کرلوں گا۔

حسرت صاحب نے لکھا ہے:۔

''راقم الحروف کو دیو بند سے کوئی تعلق نہیں۔اگر ہمیں دیو بندی مانا جائے تو ہم ادب میں دیو بندیوں کو اپنا پیشوا نہیں مانتے۔قادیانی نقاد نے جو شعر نقل کئے ہیں۔وہ یقیناً غلط ہیں''۔

مگر میں نے اپنے مضمون میں حسرت صاحب کو قطعاً دیو بندی نہیں کہا۔ بلکہ کسی اور دیو بندی کے اعتراض کا ذکر کیا تھا۔جس نے کہا تھا۔کہ حائے حطی کا گرانا ناجائز ہے۔مگر حسرت صاحب کے ہوش وحواس کا یہ عالم ہے۔کہ وہ اس کو اپنے متعلق خیال کر بیٹھے۔حالانکہ ان کی طرف سے یہ اعتراض ہی نہیں ہوا۔اور جو اشعار پیش کئے گئے تھے۔ان میں سے تین شعروں میں تو ہائے ہوز اور ایک میں سے حائے حطی تقطیع سے گر گئی ہے۔جس کی وجہ سے حسرت صاحب کے نزدیک وہ اشعار غلط ہیں۔اور وہ اشعار یہ ہیں۔

(۱) ملا کر خاک وخوں میں بیکسوں کی آرزوؤں کو۔ پھر
ہم سے پوچھتا ہے ہائے ظالم وجہِ گریانی۔
(مرثیہ مولوی رشید احمد گنگوہی ۳)

(۲) پھر فرماتے ہیں ع
نوا سنج انا الحق فیضیاب ہوتے اگر تم سے ۳۱(۳) اور فرماتے ہیں ع مشکلات ہوتے تھے سب اس کے اشاروں پر طے (۳۲) پہلے شعر کے دوسرے مصرعہ سے لفظ ہم کی اور اس کے بعد والے دونوں مصرعوں سے لفظ ''ہو'' کی ہائے ہوز تقطیع سے گر گئی۔ ہائے حطی کی گرنے کی مثال بھی مولوی محمود الحسن صاحب کے اس مرثیہ میں موجود ہے۔ فرماتے ہیں ؎

بھر دیا قلب مقدس میں تمام عالم کا
درد و غم خیر و صلاح خوب ملاکر باہم

پہلے مصرعہ میں عالم کا عین اور دوسرے میں اصلاح کی حائے حطی تقطیع سے نکل بھاگی ہے۔

حروف ساقط کرنیکی مثالیں

حسرت صاحب کو اختیار ہے۔ کہ جن اشعار کو چاہیں۔ غلط قرار دیں۔ مگر ایسے اغلاط بڑے بڑے شعراء کے کلام میں پائے جاتے ہیں۔ اور خود حسرت صاحب بھی بحوالہ غیاث اللغات تسلیم کر چکے ہیں۔ کہ رائے مہملہ وزن سے گر جاتی ہے۔ اور سر اقبال کے شعر ؎
یوں دادِ سخن مجھ کو دیتے ہیں عراق و پارس
یہ کافر ہندی ہے بے تیغ وسنان خونریز
میں رائے مہملہ کا گرنا تسلیم کر چکے ہیں۔ پس اگر راء گر سکتی ہے۔ تو حاء گا گرانا کیوں ناجائز ہے۔
اب میں چند مثالیں دیگر شعراء کے کلام سے پیش کرتا ہوں۔ جن میں واو الف یاء کے علاوہ اور حروف کو بھی گرایا گیا ہے۔

(۱) میر حسن دہلوی کہتے ہیں ع

اس عہدے سے کوئی بھی نکلا نہیں

یہاں عُہدے کا عین ساقط ہوگیا ہے اور اس کا سِین ہائے ملفوظ سے جاملا ہے۔ یوں اُسہدے فِعولن

(۲) خواجہ باقر عزت شیرازی کا شعر ہے ؎

مرا پندِ خور منداں بحال خودنمی آرد
بایں افسانہا مجنون عشق عاقل نمیگردد

اس میں عشق کا قاف الف عاقل سے پیوند ہوگیا ہے۔ اور عین درمیانی ساقط۔ یوں نعش قاقل مفاعلین

(۳) خاقانی کا ایک شعر ہے ؎

کعبہ در تر بیع ہیچوتخت نرد مہرہ باز
کعبتین تنہاؤ نرّادانسی وجاں آمدہ

یہاں کعبتّین کا نون غُنہ محسوب التقطیع نہ ہوگا۔ یوں کعبتے تن فاعلاتن۔

(۴) خوشدل ؎

نکاح جب تک نہیں ہوتا مرے ساتھ
لگانا ہے مناسب کب تمہیں ہاتھ

یہاں ''نکاح'' کی ہائے حطی ''جب'' کی ہائے موحدہ سے گھُ گئی اور جیم تازی نے چشم پوشی کی۔ یوں ''نکاحب تک'' مفاعلین۔

(۵) خاقانی کہتا ہے ؎

خاقانی عید آمد خاقان بہ یمن جود
ہرکار رکز خدائے بخواہد رواشود!

اس میں یائے ''خاقانی'' کا سقوط ہوا ہے۔ یوں خاقان مفعول عید اام فاعلات

(۶)اسیر:۔

ہوں وہ غمکش بجھ گئے جب نخل آمدہی سے ہیر
میں یہ سمجھا باغ میں فرش مشجر ہوگیا۔

''ہوں وغمکش'' فاعلاتن۔ یہاں ''وہ'' کی ہائے آخر ساقط ہوگئی۔''مے ی سمجھا''۔ فاعلاتن۔ یہاں ''یہ'' کی ہائے آخر غیر محوب ہے۔

(۷)عرفی شیرازی

پیش عرفی مدہ ازدست عناں کیں استاد
خویش راابلہ نمودہ است ولے ابلہ نیست

یہاں ابلہ کی بائے اسل بمقام اول بقول جمہور گرگئی ہے۔یوں خویش رااب فاعلاتن لِ نمودس۔فعلاتن۔تولےاب۔فعلاتن۔لہ نیس۔فعلان۔

غرض کہ شعراء کے کلام میں بکثرت ایسے اشعار ملتے ہیں۔جن سے تقطیع کرتے وقت بعض حروف ساقط ہوجاتے ہیں۔اگر کہا جائے۔کہ ایسا کرنا درست نہیں اور یہ غلطی ہے۔تو ہم کہیں گے۔کہ اگر دوسرے شعراء ایسی غلطی کرسکتے ہیں تو شاہ نعمت اللہ ولی کرمانی کیوں ایسی غلطی نہیں کرسکتے۔اگر بقولِ شمااس قصیدہ کا قائل ان کو تسلیم کرلیا جائے۔اوراب تو اس بات کی ضرورت ہی نہیں۔کیونکہ ہم ثابت کرچکے ہیں۔کہ اَلِفْ کو اَلُفْ پڑھنا جائز ہے۔جیسے کَتِفْ کو کَتُفْ بولنا صحیح ہے۔

ماہ رارُوسیاہ مے بینم
مہررا دلفگار مے بینم

یہ نشان آفرین اور اعجاز نما شعر۔مسٹر براؤن کے نسخہ میں پندرھواں خواجہ عبدالغنی شملوی کے نسخہ میں بیسواں[۲] اور اربعین کے نسخہ میں ستائیسواں شعر ہے خواجہ صاحب شملوی کے نسخہ میں پہلا مصرعہ یوں ہے۔''ماہ رارو سیاہ مے یابم۔اوراربعین میں مے نگرم ہے۔یعنی میں چاند کو تاریک وتار پاتا ہوں۔اورسورج کو دلفگار دیکھتا ہوں۔حقیقت میں یہ ایک فیصلہ کُن شعر ہے۔جس سے تمام جھگڑا ایک منٹ میں طے ہوسکتا ہے۔کیونکہ اس میں ایک خاص نشان بیان کیا گیا ہے۔جوصرف مہدیٔ صادق کے لئے مخصوص ہے۔اورامام مہدی کے سوا

اور کسی کے ساتھ اس کا تعلق نہیں۔وہ نشان۔چاند وسورج کا گرہن ہے۔چنانچہ مولوی فیروزالدین صاحب لاہوری اس کا ترجمہ یوں لکھتے ہیں۔

ہوگا ظاہر اک بڑا چندر گرہن
متصِل سُورج گرہن کے ایک بار

(قصیدہ ظہور مہدی صفہ ۴۱)

اور جب ہم احادیث پر نظر ڈالتے ہیں۔تو ایک حدیث میں غیب پر مشتمل یہ خبر بیان کی گئی ہے۔کہ امام مہدی کے زمانہ میں چاندوسورج کو گرہن لگے گا۔چنانچہ امام دارقطنی کی سنن میں وہ حدیث یوں ہے:۔

ان لمهد ينا ايتين لم تكونامنذخلق الله السمٰوت والارض ينخسف القمر لاول ليلة من رمضان وتنكسف الشمس فى النصف منه.

یعنی ہمارے مہدی کے لئے دونشان ہیں۔اور جب سے آسمان وزمیں خدا نے پیدا کئے ہیں۔یہ دونشان کسی کے وقت میں ظاہر نہیں ہوئے۔ایک ان میں سے یہ ہے۔کہ رمضان کے مہینے میں چاند کو اس کی پہلی رات میں گرہن لگے گا۔یعنی تیرھویں تاریخ میں۔اور سورج کو اس کے دنوں میں سے بیچ کے دن میں۔یعنی رمضان کے مہینہ کی اٹھائیسویں تاریخ کو گرہن لگے گا۔ایسا واقعہ ابتدائے عالم سے کسی مامورمن اللہ کے وقت میں کبھی ظہور پذیر نہیں ہوا۔یہ نشان صرف مہدی معہود کے لئے مقدر ہے۔کہ جب اس کی تکذیب کی جائیگی۔تو آسمان اس کی صداقت پر اپنے آفتاب ومہتاب کو بطور شہادت پیش کرے گا۔اوراس کی گواہی کی یہ علامت ہوگی۔کہ یہ دونوں ضیاء آفرین سّیارے اس غم سے سیاہ پوش ہوجائیں گے۔کہ دنیا والے اپنی بے بصری کی وجہ سے خدا کے ایک فرستادہ کی تکذیب کررہے ہیں۔

امام دارقطنی جنہوں نے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔اس مرتبہ کے انسان ہیں۔کہ صحیح بخاری اور مسلم پر بھی تعاقب کرتے ہیں۔اور جرح اور تعدیل کے فن میں امام مانے گئیے ہیں۔ان کی اس تالیف پر ہزارسال سے زیادہ عرصہ گزرا۔مگراب تک کسی فاضل

اور مسلّمہ امام نے اس حدیث کو زیر بحث لا کر موضوع قرار نہیں دیا۔ بلکہ بڑے بڑے علماء اور بلند پایہ فضلا اور جلیل القدر آئمہ اس حدیث کو اپنی کتابوں میں درج کرتے چلے آئے ہیں۔ چنانچہ کتاب الاشاعۃ لاشراط الساعۃ میں علامہ برزنجی نے اور امام ربانی مجدد الف ثانی نے اپنے مکتوبات میں اور نواب صدیق حسن خان صاحب نے حجج الکرامہ میں اسے درج کیا ہے۔ اور اس کو مہدی موعود کی علامات میں سے قرار دے کر اس کی تصدیق کی ہے۔ اس کے مقابلہ میں کسی نے اس کے ضعف وغیرہ کی طرف اشارہ تک نہیں کیا۔ اور سب سے آخر میں حافظ محمدؒ صاحب لکھو کے والے نے اپنی کتاب احوال الآخرت میں اس کے متعلق یہ شعر لکھا ؎

تیرھویں چن ستیھویں سورج گرہن ہوسی اس سالے
اندر ماہ رمضانے لکھیا ہک روایت والے

مگر حدیث کے الفاظ کے مطابق سورج کے گرہن کی تاریخ اٹھائیسویں بنتی ہے۔ کیونکہ ازروئے حساب سورج گرہن کی تاریخیں ۲۷۔۲۸۔۲۹ ہیں۔ لہذا یا تو حافظ صاحب کو غلطی لگی۔ یا کتابت کی غلطی ہے۔ اگرچہ اس حدیث کے راوی حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ ہیں۔ مگر یہ پیشگوئی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہی کی متصوّر ہوگی۔ کیونکہ اصول حدیث کی کتاب میں تصریح کردی گئی ہے۔ کہ جو خبر کسی غیب پر مشتمل ہو۔ اور اجتہاد کا اس میں دخل نہ ہو۔ ایسی روایت مرفوع کے حکم میں ہوگی۔ یعنی وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا قول سمجھا جائے گا۔

دوسری بات یہ بھی یاد رکھنی چاہیے" کہ گو بظاہر اس کے راوی حضرت امام باقر ہی ہیں۔ مگر دراصل یہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا قول ہے۔ کیونکہ آئمہ اہل بیت کا یہ طریق تھا۔ کہ وہ بوجہ اپنی دینی وجاہت کے حدیث کو سلسلہ وار آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تک پہنچانا ضروری نہیں سمجھتے تھے۔ اور اِن آئمہ کی یہ عادت دنیائے حدیث میں خوب شائع و متعارف ہے۔ چنانچہ شیعہ مذہب کی کتب حدیث اس امر کی زندہ شہادت ہیں۔ ان میں ہزارہا ایسی حدیثیں ہیں۔ جو سلسلہ وار صرف ان آئمہ تک پہنچ کر رہ جاتی ہیں۔ زیادہ سے زیادہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تک پہنچکر ختم ہو جاتی ہیں۔ ورنہ زیادہ تر تو یہی ہوتا ہے کہ قال علی علیہ السلام یا

قال امام باقر وجعفر وغیرہ مثال کے طور پر اصول کافی کی ایک حدیث پیش کرتا ہوں ۔ محمدؐ بن یحیٰ عن محمدؐ بن الحسین عن عبد اللہ عن عیسےٰ بن عبد اللہ العمری عن ابی عبد اللہ قال طلب العلم فریضة ۔ یہی روایت دوسری جگہ اس طرح آئی ہے ۔ قال ابو عبد اللہ علیہ السلام قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ و وسلم طلب العلم فریضة (اصول کافی ١٦)

پہلی روایت میں طلب العلم فریضہ صرف امام ابو عبداللہ سے مروی ہے ۔ لیکن یہی روایت دوسری جگہ انہوں نے قال رسول اللہؐ کہکر بیان کی ہے ۔ پس حضرت امام باقر کا خسوف وکسوف والی روایت میں قال رسول اللہ نہ کہنا ائمہ اطہار کی اسی عادت کے مطابق ہے ۔ اس بات کی تائید نواب صدیق حسن خان صاحب نے بھی کی ہے ۔ انہوں نے اس روایت اور دوسری روایتوں کو جو ائمہ اہل بیت سے مہدی کے بارہ میں آئی ہیں ۔ درج کر کے لکھا ہے ۔

''یہ روایات اگرچہ آثار ہیں ۔ لیکن حکم مرفوع میں ہیں ۔ اس لئے کہ اجتہاد کو ایسے احوال میں کچھ دخل ومجال نہیں ہے'' ۔ (اقتراب الساعتہ ١٠٧)

پس سید ولد آدم حضرت خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث اور بیان کردہ علامت صرف بانئ سلسلہ عالیہ احمدیہ کے دعویٰ مہدویت کے وقت میں پوری ہوئی ۔ آپ نے مہدویت کا دعوی ١٣٠٧ھ میں کیا ۔ اور ١٣١١ھ میں رمضان کے مہینے میں چاند وسورج کو گرہن لگا ۔ اور ایسے صاف طور پر اس نشان کا ظہور ہؤا ۔ کہ صاحبان بصیرت حیران رہ گئے ۔ جس سے حضرت بانئ اسلام (بآبائنا ہو وامہاتنا) علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سچائی مہر نیم روز کی طرح ظاہر ہوگئی ۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی اس نشان صداقت عنوان کا ذکر کیا ہے ۔ چنانچہ فرماتے ہیں :۔

''جو شخص یہ خیال کرتا ہے ۔ کہ پہلے بھی کئی دفعہ کسوف وخسوف ہو چکا ہے ۔ اس کے ذمہ یہ بار ثبوت ہے ۔ کہ وہ ایسے مدعئ مہدویت کا پتہ دے جس نے اس کسوف وخسوف کو اپنے لئے نشان ٹھہرایا ہے ۔ اور یہ ثبوت یقینی اور قطعی چاہیئے ۔ اور یہ صرف اسی صورت میں ہوگا ۔ کہ ایسے مدعی کی کوئی کتاب پیش کی جائے ۔ جس نے مہدی موعود ہونے کا دعویٰ کیا

ہے۔اور نیز یہ لکھا ہو۔کہ خسوف وکسوف جو رمضان میں دارقطنی کی مقرر کردہ تاریخوں کے موافق ہوُا ہے۔وہ میری سچائی کا نشان ہے۔غرض خسوف وکسوف ہزاروں مرتبہ ہوُا ہے۔اس سے بحث نہیں۔(مگر) نشان کے طور پر ایک مدعی کے وقت میں صرف ایک دفعہ ہوُا۔حدیث نے ایک مدعیٔ مہدویت کے وقت میں اپنے مضمون کا وقوع ظاہر کرکے اپنی صحت اور سچائی کو ثابت کردیا''۔ (چشمۂ معرفت صفحہ ۳۱۴ حاشیہ)

اسی طرح ایک اور بزرگ اور صاحبِ کشف نے ایک شعر لکھا ہے۔جس میں خسوف وکسوف کی تاریخ بھی بتائی ہے ؎

درسن غاشی ۱۳۱۱ھ ہجری درقرآن خواہد بود!
ازپئے مہدی ودجاؔل نشان خواہد بود!

یعنے چودھویں صدی کے گیارہویں سال چاند وسورج کو گرہن لگے گا۔اور اس امر کی علامت ہوگی۔کہ مہدیٔ صادق کا ظہور ہوُا۔اور دجال کا بھی خروج ہوگیا۔پس اسی عظیم الشان نشان کا ذکر شاہ نعمت اللہ ولی نے اپنے اس بدیع المنزلت شعر میں کیا ہے۔اور اس کی بڑی علامت یہ بتائی ہے۔کہ جس مہدی کا ذکر میں نے اپنے الہامی قصیدہ میں کیا ہے۔اس کے بابرکت زمانہ میں چاند وسورج کو خسوف وکسوف ہوگا۔اور یہ رحمانی علامت سوائے اس ذات بابرکات کے کسی پر صادق نہیں آتی۔جو قادیان کی بستی سے مبعوث ہوُا۔اور جس کو خدائے بزرگ وبرتر نے اپنے عرش سے خطاب کیا کہ یااحمدؐ بَارَکَ اللہ فیک اور انا ارسلنا احمدؐ الیٰ قومہٖ اور جس نے بالہام الٰہی چودھویں صدی میں مہدویت کا دعویٰ کیا۔اس لئے چودہری محمد حسین ایم۔اے یااور کسی کا یہ کہنا عبث اور بےسُود ہے کہ

یارب ہمیں اتنی لمبی عمر دے کہ ہم اس رحمۃ للعالمین کے نائب کا زمانہ دیکھیں۔یا ہم پر رحم فرما اور اسے ابھی بھیج۔اگر یہ وقت اس کے ظہور کا نہیں۔تو اور کونسا ہوگا۔

بیا بیا کہ نسیم بہار مے گذرد
بیا کہ گل زرخت شعرمسار مے گذرد
بیا کہ فصل بَہار است وموسم شادی
مدار منتظرم روزگارمے گذارد

(کاشفِ مغالطہ قادیانی ۳۵)

اس لئے کہ رحمت للعالمین کا نائب اور امن کا شاہزادہ آچکا اور اس کے آنے کی گواہی چاند وسورج نے بھی تاریک وتار ہوکردے دی۔ پس اب کسی اور کا انتظار بے سُود ہے۔ کیونکہ جو ایک دفعہ آچکا وہ دوبارہ نہیں آسکتا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لوگوں کو توجہ دلاتے اور فرماتے ہیں۔

یارو جو مرد آنے کو تھا وہ تو آ چکا!

یہ راز تم کو شمس و قمر بھی بتا چکا!

ہم نے بفضلہٖ تعالیٰ حسرت صاحب کے تمام لایعنی اعتراضات کا شافی جواب دے دیا ہے۔ اور بتا دیا ہے۔ کہ شاہ نعمت اللہ ولی کا کشف اسی صورت میں صحیح اور حدیث کے مطابق ہوسکتا ہے۔ جبکہ اس کو حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کی تشریح کی روشنی میں لیا جائے۔ نیز دلائل قویہ سے یہ ثابت کردیا ہے کہ شعر میں ا۔ح۔م۔دال ہی صحیح ہے۔ اور قصیدہ کے دوسرے اشعار سے بھی ہمارے بیان کی تائید ہوتی ہے۔ جن میں ''پسرش یادرگامے بینم'' اور خسوف وکسوف کا اور ۱۲۰۰ھ سال کے بعد نشانات کے ظہور کا ذکر ہے۔ اور یہ ساری باتیں حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے مہدی موعود ہونے کی تائید کرتی ہیں۔ اور ان کی ذات پر ہوبہو صادق آتی ہیں۔ اربعین حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعویٰ سے تقریباً ۴۰ سال پیشتر شائع ہوچکی تھی۔ اس میں ا۔ح۔م۔دال ہی لکھا ہے۔ اس کے متعلق یہ ہرگز نہیں کہا جاسکتا۔ کہ آپ نے اسمیں میم کی بجائے الف کردیا تھا۔ پھر کلکتہ ریویو جلد (c) صفحہ ۱۰۰ میں الف۔ح۔میم۔دال ہی شائع ہؤا ہے (دیکھو دی انڈین مسلمانز مطبوعہ ۱۸۷۲ء مصنفہ ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر) اور پھر حدیث میں بھی مہدی کا نام احمد آیا ہے۔ پھر سب سے بڑھ کر واقعات نے بھی اس کی تصدیق کردی مجھے امید ہے کہ حسرت صاحب اور دیگر معترضین ہمارے پیش کردہ دلائل پر ٹھنڈی نظر سے غور کریں گے۔